تدبّر

زیر نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاہور - پاکستان

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/= روپے

موضوعات: خدا کی ذات وصفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیروشر۔ جبرواختیار۔ آخرت اور جزا وسزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اوّل ۸۷/= روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۴۸/= روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۲۰۰/= روپے

○ تفہیمِ دین ۵۴/= روپے

موضوعات:

قرآنیات۔ تحقیق حدیث وسنت۔ فلسفۂ دین
اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی و ملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲- فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰
فون- ۷۵۸۰۸۰۰

جولائی 1994ء | شمارہ نمبر 47 | صفر 1415ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

وقت کی اہم ضرورت ______ خالد مسعود 3

تدبر قرآن

تفسیر سورہ رعد ______ خالد مسعود 5

تفسیر سورہ ابراہیم ______ خالد مسعود 7

تدبر حدیث

علم کی فضیلت ______ امین احسن اصلاحی/سعید احمد 13

وصیت اور متعلقہ امور ______ امین احسن اصلاحی/سعید احمد 23

افادات فراہیؒ

تفسیر قرآن میں نظم کلام کی مشکلات ______ خالد مسعود 30

مقالات

فتح مبین (معاہدہ حدیبیہ) ______ خالد مسعود 37

مجلس ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
مطبع: المطبعتہ العربیتہ لاہور
قیمت =/8 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

وقت کی اہم ضرورت

قوموں کی عالمی برادری میں امت مسلمہ آج بالکل بے وزن ہو کر رہ گئی ہے۔ بیسوی صدی عیسوی کے وسط میں مغربی اقوام کے استیلاء سے جب مسلمانوں کے علاقے آزاد ہوئے تو ملت کے لئے سوچنے اور اس کا درد رکھنے والا ہر مسلمان یہ توقع رکھتا تھا کہ امت مسلمہ اب یورپ کے شکنجے سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے گی اور آہستہ آہستہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ پالے گی۔ لیکن جوں جوں وقت گزر رہا ہے یہ توقع عبث ثابت ہو رہی ہے' اور اب تو وہ حالات و واقعات جن سے امت ادھر دوچار ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ اہل مغرب نے مسلمانوں کو نام نہاد آزادی اس وقت دی ہے جب ان کو سیاسی و اقتصادی طور پر بالکل بے بس کر دیا ہے اور یہ انتظام بھی کر لیا ہے کہ ان کے اندر دوبارہ سر اٹھانے کی صلاحیت پیدا نہ ہونے پائے۔

اس صورت حال پر ہر درد مند مسلمان متفکر ہے اور چاہتا ہے کہ ملت کے تحفظ اور استحکام کے لئے جو کچھ اس کے بس میں ہو کر گزرے' لیکن اس مقصد کے لئے کون سا کام سب سے اہم ہے' اس سوال کے جواب میں رائیں الگ الگ ہیں۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال نے قومی زبوں حالی کا علاج یہ سوچا کہ مغربی تہذیب و تمدن کو اپنا لینا قومی ترقی کا ضامن ہو گا لیکن دو نسلیں گزرنے کے بعد ترک قوم پر واضح ہوا کہ اس علاج کو اختیار کر کے مسلمان رہنا محال ہے۔ اسی مسئلہ سے آج وہ مسلمان بھی دوچار ہیں جو مغربی ممالک میں جا کر آباد ہو گئے اور مغربی ثقافت کو اختیار کر لیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک دینی درس گاہوں کی کثرت اور تبلیغ دین کے اہتمام سے دور حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وسط ایشیا میں اس وقت مسجدیں اور خانقاہیں آباد اور مدرسے اور کتب خانے بڑی تعداد میں قائم تھے جب روس نے یلغار کی اور ملت کے تمام آثار مٹا کر رکھ دیے۔ یہ چیزیں اس فکر و فلسفہ کا مقابلہ نہ کر سکیں جو مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ بعض لوگ مسلم ممالک کے سیاسی اتحاد اور اقتصادی تعاون کو امت کی سربلندی کے لئے ایک اکسیر نسخہ سمجھتے ہیں لیکن چوتھائی صدی قبل اسلامی ممالک کی تنظیم قائم ہوئی اس کے تحت اسلامی عالمی بنک بھی بنا اور دوسرے ادارے بھی وجود میں آئے جن میں اسلامی ممالک کے باہمی اشتراک و تعاون سے مادی ترقی کی کئی اسکیمیں تیار ہوئیں لیکن اس نسخہ سے امت مسلمہ اپنا کوئی ایک مسئلہ بھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

ہمارے نزدیک جو چیز قوم کو قوم بناتی ہے وہ ان کا خودی کا شعور ہوتا ہے کہ ہم کیا ہیں' دنیا میں کس لئے آئے ہیں

اور ہمیں یہاں کیا کرنا ہے۔ ہمیں کس مقصد کے لئے جینا اور کس مقصد کے لئے مرنا ہے۔ یہ شعور جب قوم کے ذہین طبقہ کے رگ و پے میں جاری و ساری ہو جاتا ہے تو اس کے خون میں حرارت اور اس کی فکر کو صحیح رخ عطا کرتا ہے۔ اس سے قوم قوم بنی ہے۔ یہودیوں میں جب سے یہ قومی شعور ابھرا ہے ان کی یک جہتی' قومی بہبود اور اپنے آثار کی حفاظت میں بے مثل ترقی ہوئی ہے۔

ہم مسلمانوں کے لئے علم کا منبع اور فکر و فلسفہ کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ اس نے تخلیق آدم کی غایت واضح کی ہے' انسان کے مرتبہ و مقام کا تعین کیا ہے' انسان اور خدا کے تعلق کی اساسات نمایاں کی ہیں' مسلمانوں کو وہ اصول بتائے ہیں جن پر عائلی زندگی کی بنیادیں استوار اور اجتماعی و سیاسی زندگی کی تعمیر ہونی چاہیے' اس نے ان مقاصد کا تعین کیا ہے جن کے لئے امت مسلمہ وجود میں آئی اور جن کی خاطر افراد امت کا جینا اور مرنا پسندیدہ ہے۔ قرآن کے اس پیغام اور حجت سے صدر اول کے مسلمان شعوری طور پر آگاہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے مقصد حیات کا یہ شعور ان کے رگ و پے میں جب سرایت کر گیا تو دنیا نے دیکھا کہ اس فکر و فلسفہ کے سیلاب میں وقت کی تہذیبیں اور عظیم سلطنتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں اور اقوام عالم اس فکر و فلسفہ کے حاملین کی عظمت کو سلام کرنے لگیں۔ جوں جوں مسلمان اسلام کے اس اصلی خزانے سے بے خبر ہوتے گئے ان کے اوپر ادبار و زوال کے سائے گہرے ہوتے گئے یہاں تک کہ وہ اقوام عالم میں خفیف اور بے وزن ہو کر رہ گئے۔

اقوام عالم کے مقابل میں امت مسلمہ کو آج بھی جو شرف حاصل ہے وہ کتاب اللہ کا امین ہونے کا شرف ہے۔ لہٰذا امت کا عروج ہو یا زوال' اس امانت کا حق ادا کرنے یا نہ کرنے پر منحصر ہے۔ آج اس کتاب کا تعلق مسلمان معاشرے کی فکری اور عملی زندگی سے بڑی حد تک منقطع ہو چکا ہے۔ قرآن کے حقوق سے نا آشنا ملت کو اگر مخالف اقوام کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور آسمان سے ان کے لئے نصرت نازل نہ ہو تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اپنے ملک ہی پر غور کیجئے۔ ہم مادی وسائل کو ترقی دینے کے منصوبے بناتے ہیں' توانائی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرتے ہیں' تعلیمی و ثقافتی میدان میں قلیل المیعاد اور طویل المیعاد اسکیمیں نافذ کرتے ہیں' ملکی دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں' لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے قومی سطح پر افراد ملت میں ملی شعور پیدا کرنے اور ان کو قرآن مجید کے فکر و فلسفہ سے آگاہ کرنے کے لئے آج تک کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔ آج تک ہم ان کو ان کے فرض منصبی سے روشناس نہیں کر سکے۔ ہماری ساری تگ و دو ان کو مغربی تہذیب و ثقافت کا دلدادہ بنانے پر مرکوز ہے۔

آج وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ہمیں اللہ کی کتاب کی جو نعمت عطا ہوئی ہے' ہم اجتماعی طور پر اس کی قدر کریں۔ اس کے اندر مدفون خزانے سے واقف ہوں' اس کے فکر و فلسفہ کو خود اپنائیں اور دوسروں میں رواج دیں اور ہر کام اس کی روشنی میں سرانجام دیں۔ اسی کے نتیجہ میں ہم اپنے رب کی رضا حاصل کر سکیں گے جو تمام قوتوں سے بڑی قوت اور ہر دولت سے بڑھ کر دولت ہے۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ رعد (گذشتہ سے پیوستہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا وہ ذات' جو ہر جان سے اس کے عمل پر محاسبہ کرنے والی ہے (اور وہ جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے یکساں ہیں) ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔ ان سے کہو ان کے نام تو بتاؤ۔ کیا تم خدا کو ایسی چیزوں کی خبر دے رہے ہو جن کے زمین میں وجود سے وہ بے خبر ہے یا یوں ہی ہوائی بات کر رہے ہو۔ بلکہ ان کافروں کی نگاہ میں ان کی چال کھبا دی گئی ہے' اور یہ راہ حق سے روک دیے گئے ہیں اور جن کو اللہ گمراہ کر دے تو ان کو کوئی دوسرا ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا۔ ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں بھاری ہو گا اور ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہو گا۔ ○ ۳۳

اس جنت کی تمثیل' جس کا متقیوں سے وعدہ ہے' یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس کا پھل بھی دائمی اور اس کا سایہ بھی دائمی۔ یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔ ○ ۳۵

اور جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس چیز پر خوش ہیں جو تم پر اتاری گئی ہے اور ان جماعتوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں اور اس کا کسی کو ساجھی نہ ٹھہراؤں۔ میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے' ○ اور اسی لیے ہم نے یہ کتاب ایک فرمان کی حیثیت سے عربی میں اتاری ہے اور اگر تم اس علم صحیح کے آجانے کے بعد ان کی بدعتوں کی پیروی کرو گے تو نہ خدا کے مقابل میں تمہارا کوئی مددگار ہو گا نہ بچانے والا ○ ۳۷

اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی عطا فرمائیں اور کسی رسول

کے اختیار میں یہ نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لا سکے۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت اور ہر وقت کے لیے ایک نوشتہ ہے ○ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ح۲۴ ○ ۳۹

اور جس چیز کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں اس کا کچھ حصہ یا تو ہم تم کو دکھا دیں گے یا ہم تم کو وفات دے دیں گے۔ پس تمہارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، حساب کی ذمہ داری ہم پر ہے ○ کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم سرزمین کی طرف اس کو اس کے اطراف سے کم کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں ح۲۵۔ فیصلہ اللہ کرتا ہے اور کوئی اس کے فیصلہ کو ہٹانے والا نہیں۔ اور وہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے ○ جو ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی چالیں چلیں لیکن چالیں سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ہر جان جو کچھ کرتی ہے اس کو وہ جانتا ہے اور یہ کافر جلد جان لیں گے کہ دار آخرت کی کامیابی کس کے لیے ہے ○ ۴۲

اور یہ کافر کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور وہ لوگ گواہی کے لیے کافی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم ہے ح۲۶ ○ ۴۳

ح۲۲ اگر کوئی شے اس دنیا میں وجود رکھتی ہے تو لازم ہے کہ دنیا کے خالق کو اس کا پتہ ہو۔ اگر ایک چیز کا سرے سے خالق ہی کو پتہ نہیں تو اس کے وجود کے کیا معنی! لہٰذا مزعومہ شرکاء و شفعاء کا تو کوئی وجود نہیں اور نہ ان کے حق میں کوئی دلیل ہے۔ لیکن جو لوگ ان کی حمایت کر رہے ہیں وہ اپنا اقتدار اور اپنی پیشوائی کو بچائے رکھنے کی ایک چال کے طور پر ایسا کر رہے ہیں۔

ح۲۳ یہ اہل کتاب کے دو گروہوں کا حوالہ ہے جن میں سے ایک حق پر قائم تھا اس وجہ سے اس نے قرآن کا پوری خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور دوسرا اپنی ایجاد کردہ بدعات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کا مخالف بن گیا۔ دوسری مخالف پارٹیوں یعنی یہود اور مشرکین کی مخالفت کی نوعیت یہ نہیں تھی کہ قرآن کے ہر حصہ سے ان کو اختلاف ہو۔ فرمایا کہ جن کے ساتھ بنائے اختلاف توحید ہے ان پر واضح کر دو کہ ان کا دباؤ آپ کو نرم یا مرعوب نہیں کر سکے گا۔

ح۲۴ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے اپنی حکمت کے تحت ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس کے نوشتہ تک کسی دوسرے کی رسائی نہیں۔ اس میں ہر اخراج اور ہر اندراج صرف اسی کی حکمت و مشیت کے تحت ہوتا ہے۔

ح۲۵ یعنی اسلام کے غلبہ کی یہ نشانی ان کو کیوں نظر نہیں آتی کہ اسلام کی دعوت بتدریج مکہ کے اطراف کو فتح کرتی ہوئی مکہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس سورہ کے زمانہ نزول میں مکہ کے اطراف کے قبائل اور مدینہ میں اسلام کی دعوت زور پکڑ رہی تھی اور اہل کتاب میں بھی اسلام کے حق میں کلمہ خیر کہنے والے پیدا ہو گئے تھے۔ قریش کو اس نشانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ح۲۶ یہ اشارہ اہل کتاب کے انہی علماء کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر گزرا۔

تفسیر سورہ ابراہیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ الٓرٰ ہے۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اس لئے اتاری ہے کہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ۔ ان کے رب کے اذن سے۔ خدائے عزیز و حمید کے راستہ کی طرف ○ اس اللہ کے راستہ کی طرف جو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا مالک ہے اور کافروں کے لئے ایک عذاب شدید کی تباہی ہے ○ ان کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ (1) یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں ہیں ○ اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان پر اچھی طرح واضح کر دے۔ پس اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے ○ 4

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالو اور ان کو خدا کے یادگار ایام یاد دلاؤ۔ (2) بے شک ان کے اندر ثابت قدم رہنے والوں اور شکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ○ 5

اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کے اس فضل کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں آل فرعون کے پنجہ سے نجات دی جو تمہیں نہایت برے عذاب چکھاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور بے شک اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش تھی ○ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزار رہے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا (3) اور اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہوگا ○ اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم اور وہ سارے لوگ جو روئے زمین پر ہیں ناشکری کرو گے تو خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے اور وہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے ○ 8

کیا تمہیں ان لوگوں کا حال نہیں پہنچا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم نوح، عاد اور ثمود کا حال

اور ان کا جو ان کے بعد ہوئے ہیں (4) خدا کے سوا جن کو کوئی نہیں جانتا۔ ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے ان کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور بولے کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس کے باب میں سخت الجھن میں ڈال دینے والے شک میں ہیں ○ ان کے رسولوں نے کہا کیا تمہیں آسمانوں اور زمین کے وجود میں لانے والے اللہ کے بارے میں شک ہے (5) وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں ایک وقت معین تک مہلت دے۔ وہ بولے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے روک دو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے تو ہمارے پاس کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ ○ ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں تو تمہارے ہی جیسے آدمی لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ لا دیں مگر اللہ کے حکم سے اور ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ○ اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ رکھیں جب کہ اس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی اور تم ہمیں جو ایذا بھی پہنچاؤ گے ہم اس پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے (6) ○ اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یا تو ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہماری ملت میں پھر واپس آنا پڑے گا تو ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں ہی کو ہلاک کر دیں گے ○ اور ان کے بعد تم کو زمین میں بسائیں گے (7) یہ ان کے لئے ہے جو میرے حضور پیشی سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے ○ 14

اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا ○ اس کے آگے جہنم ہے اور اس کو پیپ لہو پینے کو ملے گا ○ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پینے کی کوشش کرے گا اور اس کو حلق سے نہ اتار سکے گا اور موت اس پر ہر جانب سے پلی پڑ رہی ہو گی اور وہ مرنے والا نہ بنے گا اور آگے ایک اور سخت عذاب اس کے لئے موجود ہو گا ○ 17

ان لوگوں کے اعمال کی تمثیل جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہ ہے کہ جیسے راکھ ہو جس پر آندھی کے دن باد تند چل جائے (8) جو کچھ انہوں نے کمائی کی ہو گی اس میں سے کچھ بھی ان کے پلے نہیں پڑے گی۔ یہی دور کی گمراہی ہے ○ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مقصد حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق کو لا بسائے ○ اور یہ اللہ کو ذرا مشکل نہیں ○ 20

اور سب اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے جو بڑے بنے رہے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع رہے ہیں تو کیا اللہ کے اس عذاب میں سے کچھ تم ہمارا بوجھ ہلکا کرو گے؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ نے ہم کو ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت کی راہ دکھاتے۔ اب

ہمارے لئے یکساں ہے چیخیں چلائیں یا صبر کریں' ہمارے لئے کوئی مفر نہیں ○ 21

اور جب معاملے کا فیصلہ ہو چکے گا' شیطان بولے گا کہ بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو اس کی خلاف ورزی کی اور مجھے تم پر کوئی اختیار نہیں تھا' بس میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے میری بات مان لی تو مجھے ملامت نہ کرنا' اپنے آپ ہی کو ملامت کرو (9)' نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے۔ تم نے جو مجھے شریک بنا لیا تو میں نے اس کا پہلے سے انکار کر دیا۔ بے شک اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں ہی کے لئے دردناک عذاب ہے ○ 22

اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے بھلے کام کئے ہوں گے وہ ایسے باغوں میں اتارے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی' ان میں وہ اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اور اس میں ان کی تحیت آپس میں ایک دوسرے پر سلام ہو گی (10) ○ 23

کیا تم نے غور نہیں کیا' کس طرح تمثیل بیان فرمائی ہے اللہ نے کلمہ طیبہ کی۔ وہ ایک شجرہ طیبہ کے مانند ہے جس کی جڑ زمین میں اتری ہوئی ہے اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں ○ وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے رب کے حکم سے دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں ○ 25

اور کلمہ خبیثہ کی تمثیل ایک شجرہ خبیثہ کی ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے' اسے ذرا ثبات حاصل نہ ہو (11) ○ 26

اللہ اہل ایمان کو قول محکم کی بدولت دنیا کی زندگی میں بھی ثبات عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اور اللہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کے اعمال رائگاں کر دے گا اور اللہ جو چاہے کرتا ہے ○ 27

کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے عوض میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر ___ جہنم ___ میں لا اتارا ○ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ اور انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے تاکہ اس کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کر کے ہٹائیں۔ کہہ دو چند دن عیش کر لو (12)_ بالآخر تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے ○ 30

میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہہ دو کہ نماز کا اہتمام رکھیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ خرچ کریں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی کام آئے گی ○ 31

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادلوں سے پانی اتارا پھر اس سے مختلف قسم کے پھل تمہارے رزق کے لئے پیدا کئے اور کشتی کو تمہاری نفع رسانی میں لگا دیا تاکہ وہ سمندر میں

اس کے حکم سے چلے اور اس نے دریاؤں کو بھی تمھاری نفع رسانی میں لگا دیا ○ اور سورج اور چاند
کو بھی تمھاری نفع رسانی میں لگا دیا' دونوں ایک ہی انداز پر گردش میں ہیں اور دن اور رات کو بھی
○ اور تم کو ہر اس چیز میں سے بخشا جس کے تم طالب بنے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو
ان کو شمار نہ کر پاؤ گے۔ بے شک انسان بڑا ہی حق تلف ناشکرا ہے (13) ○ 34

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب اس سرزمین کو پرامن بنا اور مجھ کو اور
میری اولاد کو اس بات سے محفوظ رکھ کہ ہم بتوں کو پوجیں ○ اے میرے رب! ان بتوں نے لوگوں
میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر رکھا ہے تو جو میری پیروی کرے وہ تو مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی
کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے ○ اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے ایک بن کھیتی کی
وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے' اے ہمارے رب' تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں تو تو لوگوں
کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں (14)
○ اے ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز
بھی مخفی نہیں' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ○ شکر ہے اس اللہ کے لئے جس نے مجھے بڑھاپے میں
اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب دعا کا سننے والا ہے ○ اے میرے رب مجھے نماز کا
اہتمام کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی' اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرما ○ اے
ہمارے رب (15)' مجھے اور میرے والدین کو اور مومنین کو اس دن بخش جس دن حساب قائم ہوگا ○
41

اور اللہ کو' جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں اس سے بے خبر نہ سمجھو۔ وہ ان کو بس ایک ایسے دن کے
لئے ٹال رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ○ وہ سر اٹھائے ہوئے بھاگ رہے ہوں
گے' ٹکٹکی بندھی ہوگی اور ان کے دل اڑے ہوئے ہوں گے (16) ○ 43

اور تم لوگوں کو اس دن سے خبردار کرو جس دن ان پر عذاب آدھمکے گا تو یہ اپنی جانوں پر ظلم
ڈھانے والے کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے' ہم تیری دعوت
قبول کرلیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے ______ کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے رہے
تھے کہ تم ٹلنے والے نہیں ہو (17) ○ اور تم ان لوگوں کی بستیوں میں رہ بسے جنھوں نے اپنی
جانوں پر ظلم ڈھائے اور تم پر واضح تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور تمھارے لئے ہم نے
مثالیں بھی بیان کر دی تھیں ○ اور انھوں نے اپنی ساری چالیں چلیں اور یہ چالیں ان کی خدا کے
پاس ہیں اگرچہ ان کی یہ چالیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے (18) ○ 46

تو اللہ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھو (19)' اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے
○ اس دن کو یاد رکھو جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب

اللہ واحد و قہار کے حضور پیش ہوں گے ○ اور تم مجرموں کو اس دن زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھو گے
○ ان کے لباس تارکول کے ہوں گے اور ان کے چہروں پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (20)' تاکہ اللہ ہر
جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔ بے شک اللہ بڑی جلدی حساب چکا دینے والا ہے ○ یہ لوگوں کے
لئے ایک اعلان ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ آگاہ کر دیئے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی
ایک معبود ہے اور تاکہ اہل عقل یاددہانی حاصل کرلیں ○ 52

مضمون: حق و باطل کی کشمکش میں حق اہل ایمان کے ساتھ ہے۔ وہ صبر و استقامت سے جدوجہد کریں گے تو کامیاب ہوں گے اور باطل کا قصہ پاک ہو جائے گا۔

1- گویا باتیں تو وہ جو چاہیں بنالیں لیکن اصل چیز جو ان مشرکین کے اور اس صحیفہ ہدایت کے درمیان حجاب بنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی خاطر اپنے دنیاوی مفادات قربان کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

2- مراد وہ یادگار تاریخی دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوموں پر عذاب نازل فرمائے اور اپنے باایمان بندوں کو ان کے ظلم و ستم سے نجات بخشی۔

3- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ تقریر اپنی قوم کے سامنے اس وقت کی جب ان کو فرعونیوں کے چنگل سے نجات مل چکی تھی۔ فرمایا کہ اس بڑی آزمائش سے نکل آنے کے بعد اب خدا کو برابر یاد رکھنا' اس کے شکرگزار رہنا اور اس کو بھول کر پھر کہیں سرمستیوں میں نہ کھو جانا ورنہ پھر کسی عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔

4- ان قوموں کے اندر بھی رسول آئے لیکن نہ قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے اور نہ تاریخوں میں ان کا کوئی قابل اعتماد تذکرہ موجود ہے۔ صحیح علم ان کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

5- یعنی خدا کو تو تم مانتے ہی ہو' اسی کی دعوت ہم تمھیں دے رہے ہیں اب رہے وہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے تو ان سے ہم تم کو روکتے ہیں' اس لئے کہ ان کے حق میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

6- یعنی خدا نے جن راستوں پر چلنے کی ہمیں خود ہدایت فرمائی ہے' ہمارا اعتماد ہے کہ ان میں جو مزاحمتیں اور رکاوٹیں پیش آئیں گی ان کے دور کرنے میں وہ ہماری مدد اور رہنمائی فرمائے گا۔ لہٰذا ہمارا عزم یہ ہے کہ تم جو ایذائیں ہمیں پہنچاؤ گے ہم ان پر صبر کریں گے اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کریں گے۔

7- مومنین نے جب استقامت دکھائی تو اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ ملا کہ وہ حق

و باطل کی کشمکش میں غالب رہے اور ان کے مخالفین کو اللہ نے تباہ کر دیا۔

8- اعمال سے مراد مشرکین کے وہ اعمال ہیں جو اپنی دانست میں انہوں نے نیکی کے اعمال سمجھ کر انجام دیئے۔ قیامت کے روز یہ راکھ کے ایک ڈھیر کی مانند ہوں گے جس کو ہوا اڑا لے جائے۔

9- یعنی جب تمام پردے چاک ہو جائیں گے اور صرف خدائے واحد کا سامنا ہو گا تو لیڈر اور ان کے پیرو ایک دوسرے پر لعنت کریں گے' یہاں تک کہ شیطان بھی اپنی پیروی کرنے والوں سے اعلان براءت کرتے ہوئے کہے گا کہ مجھے تم کو گمراہی کے راستے پر ڈال دینے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ میں نے تمہیں گمراہی کی دعوت دی جس کو تم نے اپنی پسند سے اختیار کیا تو اب تم مجھے ملامت کرنے کے بجائے خود اپنے سر پیٹو' تم اپنی بد بختی کے خود ذمہ دار ہو۔

10- یعنی کفار کی باہمی لعن طعن کے مقابل میں اہل ایمان اہلا" و سہلا" اور سلام و رحمت کے ساتھ ایک دوسرے کا خیر مقدم کریں گے۔

11- یہ شرکیہ عقائد و نظریات اور توحید پر مبنی عقائد و نظریات کی تمثیل بیان ہوئی ہے تاکہ واضح ہو سکے کہ شرک کی کوئی بنیاد نہ عقل و فطرت کے اندر ہے اور نہ خدا کے ہاں اس کی کوئی جڑ ہے۔ اس کے برعکس توحید کی بنیاد عقل و فطرت میں بھی ہے اور عند اللہ بھی۔ اس وجہ سے جو لوگ توحید پر قائم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں رسوخ قدم اور تمکن بخشے گا۔

12- یہ قریش کے لیڈروں کو تنبیہہ ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے نوازا لیکن انہوں نے اس کی قدر یہ کی کہ کفر و شرک کی زندگی اختیار کر لی اور بہت سے شرکاء و شفعاء ایجاد کر کے خلق کو خدا سے موڑ کر ان کی طرف جھونک دیا اور اس طرح اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی جہنم کا سامان کیا۔ وہ یاد رکھیں کہ یہ چند روزہ مہلت ہے جو بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔

13- بارش' کشتی' دریا' سورج' چاند' شب اور روز سب کو انسان کی نفع رسانی میں اللہ نے سرگرم کیا لیکن ان میں سے بعض چیزوں کو تو ان ظالم مشرکوں نے خود دیوتا بنا دیا یا ان پر دوسرے دیوتا حاکم و متصرف بنا دیئے اور ان کی جے پکارنے لگے۔ شرک کا ارتکاب کر کے انہوں نے خدا کے حق کو بھی تلف کیا ہے اور خود اپنے نفس کے حق کو بھی۔

14- یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا حوالہ ہے جو انہوں نے سرزمین مکہ کو اپنا دار الہجرت بنانے کے بعد اس سرزمین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کیں۔ اس سے مقصود قریش پر یہ واضح کرنا ہے کہ ان کی ساری زندگی حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں اور تمناؤں کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے مقصد کو اگر پورا کر رہے ہیں تو یہ پیغمبر اور ان کی پیروی کرنے والے مسلمان پورا کر رہے ہیں۔

باقی صفحہ ۲۹ پر

تدبرِ حدیث
امین احسن اصلاحی

علم کی فضیلت

(صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روایات)

باب 62- فضل من علم و علم

عالم اور علم سکھانے والے کی فضیلت

79- حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا حماد بن اسامة عن برید بن عبداللہ عن ابی بردة عن ابی موسی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثل ما بعثنی اللہ بہ من الهدی و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکان منہا نقیة قبلت الماء فانبتت الکلاء و العشب الکثیر و کانت منہا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بہا الناس فشربوا و سقوا و زرعوا و اصاب منہا طائفة اخری انما ھی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء فذالک مثل من فقہ فی الدین و نفعہ بما بعثنی اللہ بہ فعلم و علم و مثل من لم یرفع بذالک راسا ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ' قال ابو عبداللہ قال اسحق عن ابی اسامة و کان منہا طائفة قبلت الماء قاع یعلوہ الماء و الصفصف المستوی من الارض۔

ترجمہ ــــــــ ابو موسیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس ہدایت اور علم کو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اس کی مثال یوں ہے کہ کثیر بارش کسی علاقے پر برسے۔ اس میں سے کچھ تو جھاڑ جھنکار سے پاک زمین ہو تو وہ پانی کو قبول کر لے اور خوب گھاس اور سبزہ اگائے۔ اس میں ایسی زمین بھی ہو جو چکنی ہو اور پانی کو روک لے۔ اس پانی سے بہت سے لوگوں کو اللہ نے نفع پہنچایا' انہوں نے پیا' پلایا اور کھیتی بھی کی۔ بارش ایک اور قسم کی زمین کو بھی پہنچی جو بالکل چٹیل ہو' جو نہ پانی روکنے والی اور نہ سبزہ اگانے والی ہو۔ تو یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی اور ان کو نفع پہنچایا اس چیز نے جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے سیکھا اور سکھایا۔ اور ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اس کی بات سننے کے لئے نہ اپنا سر اٹھایا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جو میں دے کر بھیجا گیا تھا۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ اسحاق کی روایت کے الفاظ یوں

ہیں کہ زمین کا ایک حصہ جس پر پانی پڑا چٹیل تھا' پانی جس کے اوپر ہی رہ جائے اور وہ قطعہ زمین ہموار ہو۔

وضاحت :۔ اس روایت میں "نقیہ" کے معنی پر محدثین کا اختلاف ہے لیکن جو مشہور روایت ہو اس پر ہی تاویل کرنی چاہئے۔ نقیہ کے معنی میرے نزدیک صاف ستھری زمین کے ہیں جس میں جھاڑ جھنکار نہ ہو۔ یعنی ایسی ہموار اور زرخیز زمین جس میں اگر بیج نہ بھی ڈالا جائے تو سبزہ تو اگا ہی دے۔ یہ مثال ایسے لوگوں کی ہے جن کا دل صاف اور عقل صاف ہو جس میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا ہو نہ کسی کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہوں۔ ایسے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بات سن کر ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے تو اس پر غور کرتے ہیں' تحقیق کرتے ہیں' پاؤ سیر کو سیر بھر اور سیر کو من بھر بنا لیتے ہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو علم کو جمع کر لیتے ہیں اور اس کو آگے نقل کر دیتے ہیں' چاہے اس میں اضافہ نہ کر سکیں۔ اس طرح وہ بات کو عاقلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ہمارے محدثین حضرات اسی دوسرے گروہ میں ہیں۔ یہ روایات کو نقل کر دیتے ہیں لیکن ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یہ کام اگر کرتے ہیں تو فقہا کرتے ہیں۔ وہ غور کرتے اور ایک ایک لفظ پر مورچے قائم کرتے ہیں۔ اور یہ بات میں آج کل کے مقلد جامد فقہا کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ اس دوسرے گروہ کی مثال آنحضرتؐ نے اس زمین سے دی جس نے پانی جمع کر لیا۔ لوگ اس سے پانی پئیں گے' اپنے کھیت سیراب کریں گے اور اپنے مویشیوں کو پلائیں گے۔ تیسرے وہ نالائق لوگ ہیں جو علم کے لئے کان ہی نہیں کھولتے اور اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں پر علم کی بات ضائع ہو جاتی ہے۔ وہ بیلوں کی مانند ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کی مثال ایک چٹیل بنجر زمین سے دی جو پانی کو روکنے کے قابل بھی نہیں ہے۔

باب 63- رفع العلم و ظهور الجهل و قال ربيعة لا ينبغى لاحد عنده شئى من العلم ان يضيع نفسه

ترجمہ :۔ علم کے اٹھائے جانے اور جہل کے ظہور سے متعلق باب۔ ربیعہ نے کہا کہ جس کے پاس علم کا کچھ حصہ ہو اس کے لئے زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرے۔

80- حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا عبدالوارث عن ابى التياح عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم و يثبت الجهل و تشرب الخمر و يظهر الزنا۔

ترجمہ :۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آثار قیامت میں

سے یہ بات ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا' جہل اپنے ڈیرے ڈال دے گا' شراب پی جائے گی' زنا عام ہو جائے گا۔

وضاحت :۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں پہلے گزر چکی ہے۔ قیامت کے آثار میں سے یہ ہے کہ ہر چیز میں فساد پیدا ہو جائے گا۔ خیر مغلوب ہو جائے گا۔ شر غالب آ جائے گا۔ الفاظ کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ اصل قدر مشترک یہی ہے کہ اس دنیا میں جس توازن کو اللہ تعالٰی نے چاہا ہے وہ توازن ختم ہو جائے گا۔ چھوٹے پیمانے پر دنیا میں جو قیامتیں آتی رہیں ان میں قوموں کا فیصلہ ہو جاتا رہا۔ مجموعی دنیا کا فیصلہ اس وقت ہو گا جب اس طرح کا عمومی فساد ظاہر ہو گا۔

81- حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سعيد عن شعبة عن قتادة عن انسؓ قال لاحدثنكم حديثا لا يحدثكم احد بعدى' سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من اشراط الساعة ان يقل العلم و يظهر الجهل و يظهر الزنا و تكثر النساء و يقل الرجال حتى يكون لخمسين امراة القيم الواحد

ترجمہ :۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ کوئی اور شخص میرے بعد بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے آثار میں سے یہ بات ہے کہ علم تھوڑا (یا ناپید) ہو جائے گا۔ جہل غالب آ جائے گا۔ زنا عام ہو جائے گا۔ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ مردوں کی کمی ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لئے ایک ہی قیم ہو گا۔

وضاحت :۔ حضرت انسؓ نے یہ جو فرمایا کہ میرے بعد یہ حدیث کوئی اور نہیں بیان کرے گا' اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کو خیال ہو کہ یہ روایت صرف ان ہی کے پاس ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ روایت انہوں نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں بیان کی ہو جب ان کو خیال ہو کہ میرا وقت اب پورا ہو چکا ہے اس لئے لوگ سن لیں۔ اغلب یہی دوسری بات ہے۔ قیامت کے آثار کے متعلق اس روایت میں بھی صرف الفاظ کا ہی فرق ہے' حقیقت کا نہیں۔ حقیقت مشترک ہے۔ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ خیر مغلوب اور شر غالب ہو جائے گا۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ عورتوں کی زیادتی ہو جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے اور نسبت ایک اور پچاس کی ہو گی' پچاس عورتوں کو سنبھالنے والا مرد ایک ہو گا' تو اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں ذکر ہے کہ قرب قیامت میں دنیا کی قومیں آپس میں اس طرح ٹکرائیں گی جس طرح سمندر کی موجیں ٹکراتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے نتیجہ میں مردوں کی زبردست کمی ہو جائے۔ پچھلی جنگ عظیم میں بعض علاقوں میں عورتیں اتنی زیادہ ہو گئی تھیں کہ توازن درہم برہم ہو گیا تھا۔ اسی طرح روس کے بعض علاقوں میں حکومت نے حد بندی کر دی تھی کہ اتنے بچوں سے زیادہ بچے نہ پیدا کئے جائیں' تو اس

کے نتیجہ میں ایسا عدم توازن پیدا ہوگیا کہ زیادہ بچے پیدا کرنے والوں کو تحفے دینا پڑے تاکہ عورتیں بچے پیدا کریں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنوعی طریقوں سے یہ توازن پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کے الفاظ کی ایک توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ مردوں میں عورتوں کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے اور کوئی کوئی مرد ہی ایسا نظر آئے جو ایسا کرنے پر قادر ہو۔

باب 64- فضل العلم۔

بچا ہوا علم

82- حدثنا سعید بن عفیر قال حدثنی اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شہاب عن حمزة بن عبداللہ بن عمر ان ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما انا نائم اوتیت بقدح لبن فشربت حتی انی لاری الری یخرج فی اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اولتہ یا رسول اللہ قال العلم۔

ترجمہ :۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا۔ میں نے اس میں سے پیا' یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اس کی سیرابی محسوس کی۔ پھر بقیہ دودھ میں نے عمر بن خطاب کو دیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپؐ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس سے علم مراد ہے۔

وضاحت :۔ ری سے سیرابی کے علاوہ تازگی' طراوت' شادابی بھی مراد لے سکتے ہیں۔دودھ کے پیالہ سے مراد علم کا پیالہ ہے۔

یہ روایت حضرت عمر بن خطابؓ کے علم سے متعلق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کا علم نبوت کا سب سے بڑا فیضان ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں جو کام حضرت عمرؓ نے کئے وہ اتنے محکم' مضبوط اور اعلیٰ درجے کے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک انسان تعلیم کے تمام شعبوں سے بے خبر ہوتے ہوئے کس طریقے سے اتنا بڑا حکمران بنا اور اتنی بڑی سلطنت کا انتظام اس قابلیت کے ساتھ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ کسی معاملے میں بھی ان کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ معاشی انتظام' ملکی انتظام' زمینوں کا انتظام' معاملات کا انتظام' امن کا قیام' جنگوں کا انتظام' ہر چیز میں کسی پہلو سے آپ ان کے ہاں خلا نہیں پائیں گے۔ یہ صرف فیضان نبوت ہی ہو سکتا ہے۔

باب نمبر 65 :۔ **الفتیا وھو واقف علی ظہر دابة او غیرھا۔**

کسی جانور یا دوسری سواری پر بیٹھے ہوئے فتویٰ دینا۔

وضاحت :۔ فتیا سے مراد فتویٰ دینا ہے ۔ واقف سے مراد کسی جانور یا موٹر وغیرہ سواری میں سوار شخص ہے۔

اس باب کی اہمیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فتویٰ دینے کے لئے کسی سواری پر سوار ہونا فتویٰ میں رکاوٹ بن سکتا ہے' یہ خیال تو شاید ہی کسی کے ذہن میں آئے۔ دین کی بات ہر جگہ کی جا سکتی ہے۔ جب نماز سواری پر ادا کرنا جائز ہے تو فتویٰ دینے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔

83 :۔ حدثنی اسمعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن عیسی بن طلحة بن عبیداللہ عن عبداللہ بن عمرؓو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف فی حجة الوداع بمنی للناس یسالونہ فجاءہ رجل فقال لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج فجاء اخر فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج قال فماسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شئی قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج

ترجمہ :۔ عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حجة الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں ایک جگہ کھڑے ہو گئے تاکہ ان لوگوں کو جواب دیں جو آپؐ سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ ایک شخص آیا اس نے دریافت کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا اب قربانی کر لو کچھ حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے کہا مجھے یاد ہی نہیں رہا' میں نے ابھی رمی نہیں کی تھی کہ قربانی کر لی۔ آپؐ نے فرمایا اب رمی کر لو' کوئی حرج نہیں۔ آپؐ سے کسی چیز کے بارے میں جو مقدم یا موخر ہو گئی ہو نہیں پوچھا گیا مگر آپؐ نے یہی فرمایا کہ اب کر لو' کوئی حرج نہیں۔

وضاحت :۔ یہ روایت حجة الوداع کے موقع کی ہے اور بڑی اہم ہے۔ منیٰ میں محدود وقت میں کئی مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں جن میں لوگوں سے تقدیم و تاخیر ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو مناسک کے بارے میں رہنمائی دینے کی غرض سے نبی ﷺ نے ان کو سوالات کرنے کا موقع دیا اور ان سوالات کے جوابات دیے۔ مناسک میں تقدیم و تاخیر کے بارے میں ہر سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ جو عمل چھوٹ گیا ہے اب کر لو' ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ آپ نے اس پر کفارہ کا حکم بھی نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی تقدیم و تاخیر جو ایک فریضے کی ادائیگی میں خاص خلل نہ پیدا کرتی ہو اور عبادت کی روح کے نقطہ نظر سے اس فریضہ میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس حقیقت کو دوسرے معاملات میں بھی بطور ایک اصول پیش نظر رکھا جائے تو بہت

سے معاملات میں فقہا کی تشقیقات نے جو تنگی پیدا کر دی ہے اس کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ بات فرمائی کہ " **یسروا ولا تعسروا' و بشر وا ولا تنفروا** (روایت 69 آسانی پیدا کرو' تنگی مت کرو۔ لوگوں کو خوشخبری دو' ان کو بھگاؤ مت) تو اس کی روح بھی یہی ہے۔ حتی الوسع دین کے اس پہلو کو لوگوں کے سامنے لانا چاہئے جس میں ان کے لئے آسانی ہو بشرطیکہ اس سے روح دین میں کوئی خلل نہ پیدا ہوتا ہو۔ ہمارے ہاں فقہاء کی تشقیقات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے اوپر اس طرح کے معرکے قائم ہوئے ہیں کہ ان سے متاثر ہونے والا آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی ساری نمازیں باطل ہو گئیں یا فلاں بات نے اس کے سارے دین کا تیا پانچہ کر دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے جو طریقہ اختیار کیا اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی عبادات کی صحت پر آدمی اعتماد ہوتا ہے۔

اس روایت سے ایک اور اہم نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک عبادت میں سنت ایک سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ جب مناسک میں تقدیم و تاخیر کی اجازت حضورؐ نے خود عنایت فرما دی تو ہر طریقہ سنت قرار پایا۔ اس نتیجہ میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

امام صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے باب ان اہم چیزوں پر نہیں باندھا بلکہ یہ باندھا کہ سواری پر بھی فتویٰ دینا جائز ہے حالانکہ یہ عقل عام کی بات ہے کہ آپ بیٹھے' کھڑے اور سواری پر ہر حال میں فتویٰ دے سکتے ہیں۔ یہ شبہ کس کو ہوگا کہ اگر مفتی صاحب سواری پر ہوں تو وہ فتویٰ پوچھنے والے کو جواب دیں گے کہ ٹھہرو میں ذرا سواری سے اتر لوں' پھر تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

باب 66- من اجاب الفتیا باشارۃ الید والراس۔

فتوے کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دینے کے بارے میں۔

84- حد ثنا موسی بن اسمعیل قال حد ثنا وھیب قال ثنا ایوب عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل فی حجتہ فقال ذبحت قبل ان ارمی قال فاوما بیدہ قال ولا حرج و قال حلقت قبل ان اذبح فاوما بیدہ ولا حرج۔

ترجمہ :- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے حج کے موقع پر پوچھا گیا کہ میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ میں نے قربانی سے پہلے سرمنڈوا لیا تو آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کچھ حرج نہیں۔

وضاحت :- یہ وہی پچھلی روایت ہی ہے۔ الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔ جب سوال کرنے والے قدرے

دور ہوں تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے ان کو جواب دے دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض سوالوں کا جواب اسی طرح دیا۔ اسی ضمنی بات پر امام صاحب نے باب باندھ دیا ہے' حالانکہ باتھی میں سب سے اہم اس کی دم نہیں ہوتی بلکہ دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔

85- حد ثنا المکی ابن ابراہیم قال انا حنظلۃ عن سالم قال سمعت ابا ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقبض العلم و یظھر الجھل والفتن و یکثر الھرج قیل یا رسول اللہ و ما الھرج فقال ھکذا بیدہ فحرفھا کانہ یرید القتل۔

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ علم اٹھا لیا جائے گا' جہل پھیل جائے گا' فتنے زیادہ ہو جائیں گے اور ہرج کی زیادتی ہو جائے گی۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا "یوں" جیسے آپ نے قتل مراد لیا ہو۔

وضاحت :- یہ روایت بھی بہت اہم ہے لیکن امام بخاریؒ نے یہ ثابت کرنے کے لئے نقل کی ہے کہ اشارے سے بھی مسئلے کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

"العلم" سے مراد دین کا علم ہے۔ اس بارے میں کتاب العلم کے شروع میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

"ہرج" کا ترجمہ فساد' شورش بھی کیا گیا ہے یعنی خلفشار' ابتری' بد نظمی' بد امنی' مار دھاڑ' قتل وغیرہ۔ معنی سمجھانے کے لئے آپ نے گردن پر ترچھا ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا۔ اس کے بغیر ہرج کے معنے سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے۔ ہاتھ کا اشارہ بسا اوقات کلام کے مقابلے میں زیادہ مفید ہوتا ہے۔

86- حد ثنا موسی بن اسمعیل قال ثنا وھیب قال ثنا ھشام عن فاطمۃ عن اسماء قالت اتیت عائشۃ وھی تصلی فقلت ماشان الناس فاشارت الی السماء فاذا الناس قیام فقالت سبحان اللہ قلت ایۃ فاشارت براسھا ای نعم فقمت حتی علانی الغشی فجعلت اصب علی راسی الماء فحمد اللہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اثنی علیہ ثم قال مامن شئی لم اکن اریتہ الاراتیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ و النار فاوحی الی انکم تفتنون فی قبورکم مثل او قریب لا ادری ای ذالک قالت اسماء من فتنۃ المسیح الدجال یقال ما علمک بھذا الرجل فاما المومن او الموقن لا ادری ایھما قالت اسماء فیقول ھو محمد رسول اللہ جاء نا بالبینت و الھدی فاجبناہ و اتبعناہ ھو محمد ثلثا فیقال نم صالحاقد علمنا ان کنت لموقنا بہ و اما المنافق او المرتاب لا ادری ای ذالک قالت اسماء فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلتہ

ترجمہ :- حضرت اسماء سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی جبکہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔

میں نے پوچھا یہ لوگوں کا معاملہ کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ ناگاہ دیکھا کہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی زبان سے نکلا سبحان اللہ۔ میں نے پوچھا کہ کیا کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ پھر میں بھی نماز کے لئے کھڑی ہو گئی' یہاں تک کہ میرے اوپر غشی طاری ہونے لگی تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کوئی چیز' جو پہلے مجھے نہیں دکھائی گئی تھی' ایسی نہیں رہی جو میں نے اس مقام پر نہ دیکھ لی ہو۔ یہاں تک کہ مجھ کو جنت اور دوزخ بھی دکھائی گئی۔ پھر میرے اوپر یہ وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے' مسیح دجال کے فتنہ کی مانند یا اس کے قریب قریب۔ (مجھے نہیں معلوم کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ کہا) پوچھا جائے گا کہ اس شخص کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔ جو صاحب ایمان یا صاحب یقین ہو گا (مجھے یہ معلوم نہیں کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ بولا) وہ جواب دے گا کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں جو کھلی نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ آئے۔ ہم نے ان کو لبیک کہا اور ان کی پیروی کی اور وہ محمد ہیں۔ یہ وہ تین بار کہے گا تو اس کو کہا جائے گا کہ تم آرام سے سوؤ۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم ان پر یقین رکھتے ہو۔ اور جو منافق یا شکی ہو گا (مجھے نہیں معلوم کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ بولا) تو وہ کہے گا میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا میں نے بھی وہی کچھ کہنا شروع کر دیا۔

وضاحت :۔ اس روایت میں بہت سی باتیں محذوف ہیں جو سلسلہ کلام سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً" حضرت اسماءؓ نے مسجد میں لوگوں کا ہجوم دیکھا تو حضرت عائشہؓ سے ان کے جمع ہونے کی وجہ دریافت کی۔ وہ اس وقت نماز ادا کر رہی تھیں اس لئے جواب نہ دے سکتی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تاکہ اسماء دیکھ لیں کہ گرہن ہو رہا ہے۔ انہوں نے اشارے کا مفہوم نہیں سمجھا۔ پھر پوچھا کہ کیا کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پھر سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔ اتنے میں لوگ مسجد میں نماز خسوف کے لئے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ اسماءؓ بھی اس نماز میں شریک ہو گئیں اور طول قیام کے باعث ان پر غشی طاری ہونے لگی۔ نماز سے فارغ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس کے بعض حصے روایت میں نقل ہوئے ہیں۔

اس روایت میں راوی کو کئی بار الفاظ پر شک ہوا ہے۔ انہوں نے احتیاط کے یہ پہلو جو اختیار کئے ہیں وہ روایت کو کسی قدر مشتبہ بنا دیتے ہیں۔

امام صاحب نے اتنی بڑی روایت محض یہ دکھانے کے لئے پیش کی ہے کہ کسی مسئلہ کا جواب اشارے سے بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت اسماءؓ کے سوالوں کے جواب اشاروں سے دیے۔ البتہ یہ روایت بڑے اہم مطالب پر مشتمل ہے۔

یہ موقع' معلوم ہوتا ہے' چاند گرہن کا تھا۔ اس موقع پر مسلمان نماز خسوف ادا کرنے کے لئے

مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قیام کے ساتھ نماز خسوف ادا کی۔ روزانہ دن اور رات کے ان اوقات میں پانچ نمازیں ادا کی جاتی ہیں جب کائنات میں تغیر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ مثلاً" طلوع و غروب آفتاب کا وقت یا زوال کے اوقات۔ علی ھذا القیاس جب سورج گرہن یا چاند گرہن لگے تو یہ کائنات میں ایک غیر معمولی تغیر ہوتا ہے۔ ان اوقات میں بھی نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر فرمائی جس کے چند جملے روایت میں نقل ہوئے ہیں۔

خطبہ میں آنحضرتؐ نے جو یہ فرمایا کہ تم قبروں میں جانچے جاؤ گے تو یہاں قبر سے مراد دو گز کی وہ زمین نہیں ہے جس میں انسان کو دفن کیا جاتا ہے۔ بلکہ عالم برزخ مراد ہے جس سے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان کی منزل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس عالم کی واردات کو عالم قبر کی واردات کہا جاتا ہے۔ اس عالم کے متعلق قرآن مجید سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے مرنے پر موت صرف جسم کو آتی ہے' اس کی روح فنا نہیں ہوتی۔ مرنے والا اگر نیک اور صالح تھا تو عالم قبر میں اس کے اعمال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سیر کراتا ہے۔ چنانچہ راہ خدا میں قتل ہونے والوں کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ ان کو رزق پہنچایا جاتا ہے اور وہ خوش و خرم ہوتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء پر برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ مرنے والے برے لوگوں کو دوزخ میں ان کے ٹھکانے دکھائے جاتے ہیں۔ فرعون کے بارے میں قرآن نے بتایا ہے کہ صبح و شام اس کو دوزخ کے سامنے لایا جاتا ہے۔

جہاں تک فتنہ یعنی ابتلا کا تعلق ہے وہ دنیا کی زندگی تک محدود ہے۔ آزمائش کا مقصد یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ آدمی نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے یا بدی کا۔ مرنے کے بعد چونکہ نیکی کرنے کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا اس لئے مرنے کے ساتھ ہی آدمی کی آزمائش ختم ہو جاتی ہے اور جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اگر کسی چیز کا نشان ملتا ہے تو آخرت میں حجت تمام کرنے یا رسوا کرنے کی غرض سے بعض چیزوں کا نشان ملتا ہے۔ مثلاً" مشرکین سے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ۔ وہ آواز دیں گے جو لا حاصل رہے گی۔ یا مستکبرین سے کہا جائے گا کہ اللہ کو سجدہ کرو۔ وہ سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کی کمر تختے کی مانند ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا یہ بات کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے محل نظر ہے۔ ہو سکتا ہے عالم قبر میں مرنے والے سے اتمام حجت کی نوعیت کا یہ سوال کیا جائے کہ اپنے پیغمبر کے بارے میں وہ کچھ جانتا ہے یا نہیں۔ صاحب ایمان لوگ تو ان کو پہچان لیں گے لیکن منافق ان کو پہچان نہ سکیں گے۔

مسیح الدجال کا ذکر اس روایت میں بطور ایک حوالے کے آیا ہے۔ یہ کون شخصیت ہے اور اس کے کیا کارنامے ہیں' ان سوالوں کا تعلق کتاب الفتن سے ہے جس میں مسیح الدجال کا ذکر مفصل آ

ہے۔ لہٰذا یہاں اس پر بحث مناسب نہیں۔ البتہ مسیح الدجال کی ترکیب قابل غور ہے۔ دجال کے معنی لغت میں مکار اور جھوٹا کے ہیں اور مسیح کے معنی ہیں وہ جس کو مسح کیا گیا ہو۔ بنی اسرائیل میں ایک رسم تھی کہ ایک نبی اپنے بعد آنے والے نبی کے سر پر تیل مل کر اس کو اپنی موت کے بعد نبی نامزد کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحیٰی علیہ السلام نے اسی طرح مسح کیا تھا جس کے باعث ان کو مسیح بھی کہا جاتا ہے۔

مسیح الدجال کی ترکیب کو اگر صفت موصوف کی ترکیب مانیں تو معنی ہوں گے مکار مسیح۔ چونکہ اس میں صفت اور موصوف بالکل بے جوڑ ہو جاتے ہیں اس لئے لوگوں نے مسیح کے معنی کانا یا اندھا کے لئے ہیں، حالانکہ لغت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کو مسیخ یعنی مسخ شدہ کے معنی میں لیا ہے حالانکہ روایت میں یہ لفظ نہیں آیا۔ اگر مسیح الدجال کو مضاف و مضاف الیہ کی ترکیب مانا جائے تو بات کچھ بن جاتی ہے۔ اس صورت میں مراد ہوگی دجال والا مسیح۔

یہود کے ہاں مسیح کی آمد کی روایت موجود تھی۔ اس کے مطابق ان کے اندر ایک ایسے پیغمبر کی بعثت ہونے والی تھی جو داؤد کی سلطنت کو قائم کرے گا اور اس کے عہد میں اسرائیل کو عظمت و شوکت ملے گی۔ اس پیغمبر کی آمد کی پیشنگوئیاں یسعیاہ اور یرمیاہ نبی کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اعلان کیا کہ میں تورات کی پیشنگوئیوں کے مطابق آیا ہوں۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **مصدقا لما بین یدی من التوراۃ** یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مسیح کی آمد قیامت کے قریب ہوگی اور وہ دجال کو قتل کریں گے۔ اس نسبت سے مسیح الدجال کی ترکیب کے معنی ہیں وہ مسیح جو دجال کو قتل کرنے والے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی یہی روایت ہمارے ہاں بھی مشہور ہو گئی ہے۔ ہمارے ہاں مسیح کے آنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ دین کامل ہو چکا ہے۔ نبی کی ضرورت دین کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ جب ہدایت محفوظ نہیں رہ جاتی تب پیغمبر آتا ہے تاکہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے وہ دوبارہ راہ ہدایت کو روشن کر دے۔ ہدایت پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے۔ اب قرآن محفوظ ہے اس لئے قیامت تک کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں۔

(ترتیب: سعید احمد)

فہم حدیث

امین احسن اصلاحی

وصیت اور متعلقہ امور

(موطا امام مالک کی کتاب الوصایا کی روایات)

الامر بالوصیۃ

وصیت کے متعلق حکم

حدثنی مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ما حق امری مسلم لہ شئی یوصی فیہ یبیت لیلتین ووصیتہ عندہ مکتوبۃ۔

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے اوپر یہ ضروری حق ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں اس کو وصیت کرنی ہو تو وہ دو راتیں بھی نہ گزرنے دے بجز اس کے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہوئی ہو۔

وضاحت:- اگر کسی چیز میں آپ کو وصیت کرنی ہے تو اس کے متعلق بہت چوکس ہونا چاہئے۔ یہ انکار نہیں کرنا چاہئے کہ ہو جائے گی، ابھی کیا جلدی ہے۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے جھگڑے بن جاتے ہیں اور خاندان میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے تاکید ہے کہ وصیت وقت سے بہت پہلے لکھ کر رکھی جائے۔ معلوم نہیں موت کس وقت آ جائے۔ قرآن کا بھی یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔

جواز وصیۃ الصغیر و الضعیف و المصاب و السفیہ

بچے، کمزور، بیمار اور نادان کی وصیت کے جواز کے بارے میں۔

حدثنی مالک عن عبداللہ بن ابی بکر بن حزم عن ابیہ ان عمرو بن سلیم الزرقی اخبرہ انہ قیل لعمر

بن الخطاب ان ھا ھنا غلا ما یفا عالم یحتلم من غسان و وارثہ بالشام و ھو ذومال ولیس لہ ھاھنا الا ابنۃ عم لہ۔ قال عمر بن الخطاب فلیوص لھا۔ قال فاوصی لھا بمال یقال لہ بئر جشم۔ قال عمرو بن سلیم فبیع ذالک المال بثلاثین الف درھم وابنۃ عمہ التی اوصی لھا ھی ام عمرو بن سلیم الزرقی۔

ترجمہ :۔ عبداللہ بن ابی بکر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن سلیم الزرقی نے ان کو خبر دی کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے پوچھا گیا کہ یہاں ایک کمسن لڑکا ہے جو ابھی بالغ نہیں ہوا ہے۔ وہ غسان قبیلے کا ہے۔ وہ مال دار ہے لیکن اس کا وارث شام میں ہے۔ یہاں اس کی چچا کی بیٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ اس لڑکی کو وصیت کر دے۔ تو اس نے چچا زاد بہن کے لئے کچھ جائداد جو بئر جشم کے نام سے موسوم ہے کی وصیت کر دی۔ عمرو بن سلیم کہتے ہیں کہ وہ باغ تیس ہزار درہم میں بکا۔ اس لڑکے کی چچا زاد بہن جس کے حق میں اس نے وصیت کی وہ عمرو بن سلیم الزرقی کی والدہ تھیں۔

وضاحت :۔ یہ معاملہ اصول کے خلاف ہے۔ احناف اور شوافع اس کو نہیں مانتے لیکن مالکیہ کا یہی مسلک ہے۔ احناف اور شوافع اپنے مسلک کی بنیاد قرآن مجید کا یہ حکم بتاتے ہیں کہ یتیم کا مال اس کے حوالے نہ کرو جب تک اس میں سمجھ بوجھ پیدا نہ ہو جائے۔ جب قرآن مجید بچوں کا حق دینے میں یہ قید لگاتا ہے تو پھر وصیت کے معاملے میں ان کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ احناف اور شوافع کا مسلک زیادہ قوی ہے۔ قرآن مجید سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ باقی رہ گیا حضرت عمرؓ کا فیصلہ تو وہ تمام کوائف کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہوگا جو ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ مثلاً" لڑکے کے وارث کون لوگ تھے" وہ مسلمان تھے یا کافر۔ بئر جشم کے علاوہ جائداد کا کیا ہوا۔ وغیرہ۔

الوصیۃ فی الثلث لا یتعدی

ایک ثلث سے زیادہ میں وصیت نہیں کر سکتے۔

حد ثنی مالک عن ابن شہاب عن عامر بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ انہ قال جاء نی رسول اللہ ﷺ یعودنی عام حجۃ الوداع من وجع اشتد بی' فقلت یا رسول اللہ ﷺ قد بلغ بی من الوجع ما تری وانا ذومال' ولا یرثنی الا ابنۃ لی افاتصد ق بثلثی مالی قال رسول اللہ ﷺ لا' فقلت فالشطر؟ قال لا' ثم قال رسول اللہ ﷺ الثلث و الثلث کثیر انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس' و انک لن تنفق نفقۃ تبتغی بھا وجہ اللہ الا اجرت حتی ما تجعل فی فی امراتک۔ قال فقلت یا رسول اللہ ا اخلف بعد اصحابی' فقال رسول اللہ ﷺ انک

ان تخلف فتعمل عملا صالحا الا ازددت بہ درجۃ ورفعۃ، ولعلک ان تخلف حتی ینتفع بک اقوام و یضربک اٰخرون : اللھم امض لا صحابی ھجرتھم ولا تردھم علی اعقابھم لکن البائس سعد بن خولۃ یرثی لہ رسول اللہ ﷺ ان مات بمکۃ۔

ترجمہ :۔ سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ میری بیماری کی شدت میں عیادت کو آئے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے جو تکلیف ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ میرے پاس مال بہت ہے اور بیٹی کے سوا اور کوئی میرا وارث نہیں ہے۔ تو کیا میں دو ثلث صدقہ کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں۔ میں نے کہا نصف کروں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ثلث صدقہ کرو اور ایک ثلث بھی بہت ہے۔ یہ بات کہ تم اپنی اولاد کو خوشحالی میں چھوڑو اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اگر تم اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرو گے تو تم کو اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کو جو لقمہ بھی کھلاؤ گے اس پر بھی تم کو اجر ملے گا۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا میں اپنے ساتھیوں کے بعد مزید زندگی پاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں) اگر تمہیں مہلت ملی اور تم نے عمل صالح کئے تو اس کے نتیجے میں تمہارے درجات کی بلندی اور عزت میں اضافہ ہوگا۔ اور اس بات کا امکان ہے کہ تم زندگی پاؤ اور تمہارے ذریعے سے قوموں کو فائدہ پہنچے اور دشمنوں کو تمہارے ہاتھوں ذلت نصیب ہو۔ اس کے بعد آنحضرت نے دعا فرمائی کہ اے رب میرے اصحاب کی ہجرت کو کامل کر اور ان کو پیٹھ پیچھے نہ لوٹا۔ بیچارے سعد بن خولہ کے ساتھ آپ نے ہمدردی کی کیونکہ وہ مکہ میں ہی وفات پا گئے تھے۔

وضاحت :۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کو ایک تہائی تک مال صدقہ کرنے کی اجازت دی۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے زیادہ نہیں بڑھنا چاہئے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ ایک ثلث بھی نہ دے۔ جس کے پاس وافر مال ہے اور ورثا زیادہ نہیں تو سب ورثا کو کافی مال وراثت میں مل جائے گا۔ اس صورت میں ایک ثلث تک صدقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اس سے کم کی تو گنجائش آپ کے اس ارشاد سے ہے ہی کہ ورثا کو تنگ حال نہ چھوڑو کہ آپ صدقہ کرو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اس کا فلسفہ آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اولاد پر اگر اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کیا جائے تو وہ بھی نیکی ہے اور اس کا اجر ہے۔ یہاں تک کہ بیوی پر خرچ بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ یعنی وہ بھی صدقہ ہے۔ صرف دوسروں کو دینا ہی صدقہ نہیں۔ بیوی بچوں کا حق سب سے پہلے ہے۔ پیچھے روایت گزر چکی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے لئے کس قدر فکر مند تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کے لئے خوشحالی چاہنا فطرت کا تقاضا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ بھی عبادت ہے۔ صرف یہی

عبادت نہیں کہ آپ کسی دوسرے کو اٹھا کر دے دیں۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ نے نبی ﷺ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ معلوم نہیں کہ میں اپنے ساتھیوں کے بعد زندہ رہوں گا یا نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر زندگی کی مہلت ملے تو نیک اعمال کرنا۔ اس کے نتیجہ میں اجر میں زیادتی اور بلندی اور عزت حاصل ہوگی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ تم مہلت حیات پاؤ اور تمہارے ذریعے سے قوموں کو فائدہ ہو۔ زندگی ہو تو آدمی بڑے بڑے کام کر جاتا ہے۔ حضرت سعدؓ بہت بڑے آدمی تھے۔ اگر ان کو زندگی کے اور دن مل جاتے تو کوئی کارنامہ کر جاتے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ نبی ﷺ کی توقع کے مطابق حضرت سعدؓ نے دین کی سربلندی کے لئے بے پناہ کام کیا اور ایران کی بادشاہت کا خاتمہ کر کے اس علاقہ کو ہمیشہ کے لئے اسلامی مملکت کا حصہ بنا دیا۔

روایت میں بیان کردہ واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ نبی ﷺ نے حضرت سعدؓ کی یہ تشویش دیکھی کہ کہیں ان کا وقت آخر مکہ میں نہ آجائے۔ مکہ میں مرجانا عام طور پر تو باعث تشویش نہیں لیکن حضرت سعدؓ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تھی اور مسلمان ہجرت کو بڑی اونچی چیز سمجھتے تھے اور بجا طور پر ایسا سمجھتے تھے۔ دار الہجرت سے واپسی ان کو ناگوار تھی۔ لہٰذا اس کے بارے میں آنحضرتؐ نے تشفی کر دی کہ تم زندہ رہو گے۔ اور دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ میرے اصحاب کی ہجرت کو کامل کر اور ان کو پیٹھ پیچھے نہ لوٹا۔ یعنی اب کسی کو یہ ابتلا پیش نہ آئے کہ ہجرت کے درجے سے گر کر وہ یہاں آکر وفات پائے۔ آپ نے سعدؓ بن خولہ کے لئے ہمدردی کی کیونکہ ان کی وفات مکہ میں ہو گئی تھی۔

امر الحامل و المریض و الذی یحضر القتال فی اموالھم

حاملہ عورت، مریض، اور جو لڑائی میں ہو اس کا اپنے مال میں وصیت کرنا۔

قال یحیی سمعت مالکا یقول: احسن ما سمعت فی وصیۃ الحامل و فی قضایاھا فی مالھا و ما یجوز لھا ان الحامل کالمریض، فاذا کان المرض الخفیف غیر المخوف علی صاحبہ، فان صاحبہ یصنع فی مالہ ما یشاء و اذا کان المرض المخوف علیہ لم یجز لصاحبہ شئی الا فی ثلثہ۔ قال و کذالک المراۃ الحامل اول حملھا بشر و سرور ولیس بمرض ولا خوف لان اللہ تبارک و تعالی قال فی کتابہ: فبشرنا ھا باسحاق و من وراء اسحاق یعقوب۔ و قال حملت حملا خفیفا فمرت بہ، فلما اثقلت دعوا اللہ ربھما لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین۔ فالمراۃ الحامل اذا اثقلت لم یجز لھا قضاء الا فی ثلثھا فاول الاتمام ستۃ اشھر قال اللہ تبارک و تعالی فی کتابہ: والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین، وقال حملہ و فصالہ ثلاثون شھرا فاذا مضت للحامل ستۃ اشھر من یوم حملت لم

یجز لھا قضاء فی مالھا الا فی الثلث، قال و سمعت مالکا یقول فی الرجل یحضر القتال انہ اذا زحف فی الصف للقتال لم یجز لہ ان یقضی فی مالہ شیئا الا فی الثلث، و انہ بمنزلۃ الحامل و المریض المخوف علیہ ما کان بتلک الحال۔

ترجمہ:۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے سنا کہ بہترین بات جو میں نے حاملہ کی وصیت اور اس کے مالی معاملات اور اس کے تصرفات کے بارے میں سنی وہ یہ ہے کہ حاملہ عورت مریض کے حکم میں ہے۔ اگر مرض ہلکا ہو اور کوئی اندیشے کی بات نہ ہو تو جس طرح مریض اپنے مال میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے اسی طرح سے یہ بھی کر سکتی ہے لیکن اگر مرض اندیشہ ناک ہو تو مریض کو ایک تہائی سے زیادہ میں تصرف کی اجازت نہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی طرح سے حاملہ عورت کا ابتدائے حمل کا دور تو خوشی اور مسرت کا ہے۔ وہ نہ مرض ہے اور نہ ہی اندیشہ ناک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ "ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی" نیز یہ فرمایا کہ اس نے ہلکا سا حمل اٹھا لیا اور اس کے ساتھ وقت گزارا۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی نے اپنے رب سے دعا شروع کی کہ اگر تو نے ہم کو اچھی اولاد بخشی تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے۔ حاملہ عورت کا حمل جب بھاری ہو جائے تو اس کو اپنے ایک تہائی سے زیادہ میں تصرف کرنا جائز نہیں اور ابتدائی حمل کا زمانہ چھ ماہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ "مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں" اور فرمایا کہ "ان کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ ہے" تو جب حاملہ کے چھ ماہ گزر جائیں تو اس کو جائز نہیں کہ اپنے مالی فیصلے کر سکے مگر صرف ایک ثلث میں۔ میں نے مالک کو کہتے سنا کہ جو سورما محاذ جنگ پر ہے، جب صف بندی ہو جائے تو اس کو بھی سوائے ایک ثلث سے زیادہ میں فیصلہ کا اختیار نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اس وقت حاملہ یا مریض اندیشہ ناک کے حکم میں ہے اور یہ اس وقت تک کے لئے ہے جب تک وہ جنگ کی حالت میں رہتا ہے۔

وضاحت:۔ یہ سب امام مالک کے فتوے ہیں۔ جب ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت کی ممانعت ہے تو کسی کے حاملہ یا مریض یا لڑائی میں ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔ امام مالک کے ان نکتوں کے حق میں دلیل کیا ہے؟ وصیت کے بارے میں کوئی مرفوع روایت یا نص نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک آدمی اپنے ہوش و حواس میں ہو وہ اپنے مال میں کامل تصرف کا حق رکھتا ہے۔ حمل یا بیماری کی بنا پر اس کے حقوق مالکانہ کس طرح ساقط جا سکتے ہیں۔ اوپر جو ایک ثلث کے بارے میں روایت گزری ہے اس میں اس طرح کی کوئی بات نہیں۔ ایک ثلث سے زیادہ میں وصیت کرنے کی ممانعت ہے لیکن یہ حرمت کے حکم میں نہیں بلکہ آپؐ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اپنے ورثا کو فقیر اور مسکین نہ چھوڑو۔ دوسری حکمت جو اس کی فرمائی وہ یہ کہ یہ نہ سمجھو کہ بیوی بچوں پر جو خرچ ہوتا ہے وہ دنیا داری ہے بلکہ وہ بھی دینداری ہے اور اس کا اجر ہے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو پورا حق ہے کہ

وہ اپنے مال میں کامل تصرف کر سکتا ہے۔ باقی یہ ضرور ہے کہ اگر وصیت کرے تو ایک ثلث سے زیادہ نہ کرے۔ اپنے ورثا کو کھاتا پیتا چھوڑے یہ بھی عبادت ہے۔

الوصیۃ للوارث و الحیازۃ

وارث کو وصیت کرنے اور قبضہ کے بارے میں

قال یحیی سمعت مالکا یقول : فی ھذہ الآیۃ انھا منسوخۃ قول اللہ تبارک و تعالی ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین نسخھا ما نزل من قسمۃ الفرائض فی کتاب اللہ عزوجل۔ قال وسمعت مالکا یقول : السنۃ الثابتۃ عندنا التی لا اختلاف فیھا انہ لا تجوز و صیۃ لوارث الا ان یجیزلہ ذالک ورثۃ المیت وانہ ان اجازلہ بعضھم و ابی بعض جازلہ حق من اجازمنھم و من ابی اخذ حقہ من ذالک۔

ترجمہ :۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ آیت "اگر کوئی شخص کوئی مال چھوڑے تو اپنے والدین اور اقربا کے لئے وصیت کر جائے " منسوخ ہو گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقوق و فرائض مقرر فرما دیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام مالک فرماتے تھے کہ ہمارے ہاں ثابت سنت' جس میں کوئی اختلاف نہیں' یہ ہے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ میت کے دوسرے وارث اس کی اجازت دے دیں۔ اگر بعض ورثا اجازت دے دیں اور دوسرے نہ دیں تو جنھوں نے اجازت دے دی ان کا حق وہ حاصل کر سکتا ہے' دوسرے انکار کرنے والے اپنا حق لے لیں گے۔

وضاحت :۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر180 سورہ نساء کی آیت **یوصیکم اللہ فی اولادکم** ____ (11) اللہ تعالیٰ تم کو تمھاری اولادوں کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔ سے منسوخ ہے۔ یہاں تک تو معروف بات ہے جس میں امام مالک کا کوئی خاص نکتہ نہیں ہے۔

اس کے بعد امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ علمائے مدینہ کا یہ متفق علیہ مسلک ہے کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں قرار دی جا سکتی جب تک کہ میت کے دوسرے ورثا اس کی اجازت نہ دیں۔ مصلحت کے تحت تو وارث کے لئے وصیت کی اجازت کی بات اچھی ہے لیکن اس کی کامیابی مشکوک ہے۔ جب اجازت لینے کا مرحلہ آئے گا تو جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ پھر اس بات کی دلیل کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے وصیت کر دی تو اور کسی کا کیا حق رہ گیا۔ تو ان حضرات کے فتوے اور اللہ تعالیٰ کی وصیت میں مطابقت کیسے ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصیت کو مانا ہے لیکن اس میں قبضہ کی شرط لگائی ہے۔ مشورہ یا اجازت لینے کی نہیں۔ ورثا کو وصیت مصلحت کے تحت تو کی جا سکتی ہے کیونکہ

بعض ورثا مثلاً" پوتے کی وراثت کا جھگڑا ہو سکتا ہے۔ ایسی وصیت پر اعتراض نہیں۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ دوسرے ورثا کو راضی کر لیا جائے تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو۔ گویا وصیت صرف اس وارث کے حق میں کی جائے گی جس کی کمزوری یا کمسنی یا اس کے حقوق و فرائض بجا لانے میں کمی رہ گئی ہو' تعلیم ادھوری رہ گئی ہو' ابھی کمانے کے قابل نہ ہو جبکہ دوسرے کمانے کے قابل ہو چکے ہوں۔ وغیرہ۔ میری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے یہ شرط مشورہ نہیں مانی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے دوسرے ورثا سے اجازت نہیں لی تھی۔ ظاہر ہے کہ وارث کا یہی معاملہ ہے بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک وارث جو ابھی پردے میں چھپا تھا اس کا بھی لحاظ رکھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ یہ اجازت والی بات امام مالک کی ہے۔ یہ از قسم قیاس مرسل ہے جس کے لئے کوئی ضابطہ نہیں۔

(ترتیب : سعید احمد)

بقیہ صفحہ ۱۲ سے آگے

15- اس دعا میں رب یا ربنا کا لفظ سات مرتبہ آیا ہے۔ یہ چیز دعا کے لوازم میں سے ہے۔ دعا کا اصل مزاج تضرع' ابتہالت' استغاثہ اور التجا و فریاد کا ہے۔ اس چیز کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس سے دعا کی جارہی ہے اس کو بار بار متوجہ کیا جائے۔

16- یہ قیامت کے ہول کے اثرات ہوں گے جو انسانوں پر ظاہر ہوں گے۔

17- یعنی اس وقت توبہ اور اصلاح کا وقت گزر چکا ہوگا اس لئے ان کو جواب دے دیا جائے گا" اب کیا ہوا۔ تم تو قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ تم اپنی ضد سے ٹلنے والے نہیں ہو۔

18- یعنی ان قوموں نے چالیں چلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور وہ چالیں ایسی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے کھسکائے جا سکتے تھے لیکن خدا نے ان کی یہ ساری چالیں بیکار کر دیں۔

19- مراد وہ وعدہ ہے جو خدا نے اپنے رسولوں کے لئے فتح و نصرت کا فرمایا ہے۔

20- مستحقین دوزخ کے جسموں اور چہروں کی سیاہی کا ذکر قرآن میں جابجا ہوا ہے۔ مجرمین کے لباس تارکول کے ہوں گے تاکہ ان پر آگ اچھی طرح بھڑکے اور ان کے چہروں پر بھی آگ کے شعلوں کی لپٹ ہوگی۔

افادات فراہی

خالد مسعود

تفسیر قرآن میں نظم کلام کی مشکلات

متعدد وجوہ ایسی ہیں جن کے باعث قرآن کا نظم یا تو واقعی مخفی ہو گیا ہے یا قاری سے مخفی رہتا ہے۔ ان وجوہ میں سے بعض کا تعلق کلام کی خصوصیات سے اور بعض کا خود قاری کی ذات سے ہے۔ ہم یہاں چند نمایاں وجوہ کی طرف اشارہ کریں گے۔

خصوصیات کلام پر مبنی وجوہ:

1- کلام کے بعض اجزاء کو بیان میں اس لئے حذف کر دیا جاتا ہے کہ ان کی طرف رہنمائی بیان کردہ اجزائے کلام سے بخوبی ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر یہ حذف کسی قصہ میں ہو تو محذوف جزء ایک غبی اور کند ذہن آدمی کے سوا ہر شخص پر واضح ہوتا ہے۔ سورہ یوسف میں قصہ کے حذف کی متعدد مثالیں موجود ہیں (1)۔ جب حذف دلائل یا امثال میں ہو تو محذوف کسی ایسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا جس کا ذہن بیدار اور عقل روشن ہو' جیسا کہ اکثر اہل عرب کا حال تھا۔ اگر عربوں کے اشعار' ان کے خطبے' مسجع کلام اور حکیمانہ اقوال ہم تک نہ پہنچے ہوتے تو ہم ان کو بھی دوسری اقوام ہی کی صف میں رکھتے۔ لیکن جب ہم ان کے ایسے افراد کا شاندار کلام دیکھتے ہیں جو لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے یا ان کی خواتین کا کلام' بالخصوص وہ کلام جو ارتجالاً" کہا گیا'

(1) مثلاً" سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی دعا کا ذکر ہے کہ اے رب مجھے قید خانہ گناہ کی زندگی سے زیادہ محبوب ہے' اور عزیز مصر کے اہل خاندان کا یہ فیصلہ بھی بیان ہوا ہے کہ یوسف کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیا جائے لیکن ان کے قید کئے جانے کا ذکر الفاظ میں نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے وزیر بننے کے بعد ان کے انتظامات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کہ قحط سے قبل انہوں نے غلے کی حفاظت کیسے کی اور قحط کے دوران اس کی تقسیم کا اہتمام کیا ہوا۔ قصہ یک لخت بھائیوں کی مصر آمد پر آ نکلتا ہے۔ بھائیوں کی پہلی اور دوسری آمد کے درمیان کی تفصیلات بھی حذف ہیں۔ قاری خود سمجھ لیتا ہے کہ فلاں واقعہ کے بعد کیا ہوا ہو گا۔ (مترجم)

دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ اہل عرب نہایت ذہین تھے۔ وہ بات کو اجزائے کلام کے پورا ہونے سے پہلے ہی سمجھ جاتے' طول کلام کو عیب سمجھتے اور ایجاز و اختصار ان کو پسند تھا۔ قدیم اہل یونان میں سے اسپارٹا کے لوگ اپنے بعض اخلاق میں عربوں سے مشابہ تھے۔ ان کے کلام کو دیکھو تو اس میں عربوں کے کلام کی خصوصیات نظر آئیں گی۔

2- بعض اوقات کلام میں حذف نہیں ہوتا لیکن بظاہر اس کا گمان ہوتا ہے۔ جس مضمون کے محذوف ہونے کا شبہ ہوتا ہے وہ آگے آنے والی آیات میں دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس کو پہلے بیان کر دیا جاتا تو وہاں وہ زائد از ضرورت ہوتا۔ اس کے برعکس کہیں ایک ہی بات کو دوبارہ کہا گیا ہے جس کا مقصد تاکید ہے۔ مثلاً" فرمایا:

فلا اقتحم العقبۃ وما ادرک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ (پر اس نے گھاٹی نہیں پار کی اور تم کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ گھاٹی۔ گردن کو چھڑانا یا بھوک کے زمانے میں کھلانا) (البلد 11 - 13)

اسلوب میں اس طرح کی تبدیلیاں قرآن کی خصوصیات میں سے ہیں۔ ایسے مقامات نحویوں کے لئے تو ایک مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں لیکن ان کی بدولت بیان نہایت آسان' واضح اور شیریں ہو جاتا ہے۔

3- متکلم کی مزاجی کیفیت سے ناواقفیت بھی فہم نظم میں مشکل پیدا کرتی ہے۔ متکلم کبھی غصہ میں ہوتا ہے' کبھی حقارت یا حسرت سے بات کرتا ہے' کبھی وہ مخاطب سے منہ پھیر کر بات کرتا ہے۔ کلام میں ان جذبات کے اظہار کی مخفی علامات موجود ہوتی ہیں لیکن جو شخص واقف حال نہیں ہوتا وہ ان پر مطلع نہیں ہونے پاتا۔ جو چیزیں اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں وہ کلام کا اسلوب اور اس کے معانی دونوں ہیں۔ اسلوب میں استفہام کا انداز' خطاب کا طرز' سرعت التفات' کلام کی درشتی اور اس کا طول وغیرہ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ نساء کی آیت 155 ____ **فبما نقضھم میثاقھم و کفرھم بایٰت اللہ** اور اس کے بعد کی آیات پر غور کرو۔ (1)

(1) ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے اور صاحب تدبر قرآن کے الفاظ میں "یہ تنبیہ اتنی سخت و شدید ہے کہ لفظ لفظ سے جوش غضب ابلا پڑ رہا ہے۔ پوری تقریر از ابتدا تا انتہا صرف فرد قرارداد جرائم پر مشتمل ہے اور کلام کے جوش اور روانی کا یہ عالم ہے کہ بات شروع ہونے کے بعد یہ متعین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ختم کہاں ہوئی۔ اس قسم کے پر جوش اور پر غضب کلام میں عموماً" خبر حذف ہو جاتی ہے' گویا متکلم کا جوش ہی خبر کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اور مبتدا ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ متکلم کیا کہنا چاہتا ہے"۔ (مترجم)

ان امور کے لئے کلام میں اگر کچھ ظاہری علامات ہوتیں تو اہل عجم کے لئے ان سے رہنمائی کا سامان ہو جاتا لیکن یہ چیز اعجاز کلام کی نوعیت کی ہے۔ اس کا تعلق کلام کی روح سے ہوتا ہے' جس کی طرف رہنمائی بس قلب کی ضرورت ہی کر سکتی ہے۔ سننے والا کلام کے مدلول کو سمجھ جاتا ہے لیکن ایک مصنوعی ادیب پر اس کی حقیقت نہیں کھلتی۔

اگر کسی شخص کے اندر یہ خاصیت پائی جائے کہ وہ ایک ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس میں حسرت' غضب' شفقت' وغیرہ جذبات کا اظہار بے حد زیادہ ہو حالانکہ اسکی اپنی کیفیت اس کے برعکس ہو تو ایسا شخص سب سے بلیغ اور وسیع تخیل کا مالک شمار ہوتا ہے اور یہ خصوصیت کلام کا سحر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے کلام کی خصوصیات کا حامل کلام کہنا دوسرے لوگوں کے لئے اگرچہ مشکل ہوتا ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔

ایک شخص اگر کسی بادشاہ یا حکیم کا کلام اس کے شکوہ' کبریائی اور رفعت کو ملحوظ رکھ کر اسی کی طرح کہنے پر قادر ہو جائے کہ وہ سننے والوں کو بھی شبہ میں ڈال دے تو ایسا شخص فن خطابت کے بلند ترین مرتبہ کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ اس کا عیب بھی کبھی کبھی ظاہر ہو جاتا ہے' جیسا کہ کہاوت ہے۔ **لیس التکحل فی العینین کالکحل** (آنکھوں میں سرمہ لگانا ان کی قدرتی سیاہی کا بدل نہیں ہوتا) یا **المرء مخبوء تحت لسانہ** (آدمی کی شخصیت کی پہچان اس کی زبان سے ہو جاتی ہے)

اگر عیب کلام سے ظاہر نہ بھی ۔۔ جب بھی کلام پیش کرنے والا شخص بادشاہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں دو مختلف انسان ہیں۔

اگر کوئی شخص کلام الٰہی کی نقل کرنے کی جسارت کرے اور اپنے اس کلام کو ایسے دانشوروں' خطیبوں اور شاعروں کے سامنے پیش کرے جو کلام الٰہی کو پہچانتے اور اس کی روشنی میں اس شخص کے کلام کا تنقیدی جائزہ لے سکتے ہوں تو عقل یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ کلام میں بلندی کی جگہ پستی اور اس کے انداز میں آدمی کے دعویٰ کے برعکس مختلف انداز کلام کو بھانپ نہ سکیں۔ ملٹن (Milton) جیسے ادیب نے یہ غلطی کی ہے کہ شیطان کے کلام کو بھی وہی انداز دے دیا ہے جو صرف رب کے کلام کو زیبا ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کے جلال' اس کی عظمت شان اور اس کے اقتدار کی قوت کو اس طور سے نمایاں کیا ہے کہ جس کی مثال کسی دوسرے دین میں نہیں ملتی۔ کلام الٰہی کا انداز بھی اس کے علوئے شان کے عین مطابق ہے اور اس کی منزلت سے کسی طرح کم تر نظر نہیں آتا۔ اس کلام پر یہ آیت بالکل صادق آتی ہے۔

لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة الله و تلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون (حشر21)

(اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیت الٰہی سے پست اور پاش پاش ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں)

اہل عرب نے قرآن کے اندر رفعت و شکوہ محسوس کیا تو پہلے اس کو شعر کی طرف نسبت دی کیونکہ وہ شعر ہی کو دلوں کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز سمجھتے تھے۔ پھر جب وہ اس نسبت سے خود مطمئن نہیں ہوئے تو انہوں نے قرآن کو سحر قرار دیا۔ ان کا خیال یہ بھی ہوا کہ یہ جنوں کا کارنامہ ہے اسی لئے انہوں نے نبی ﷺ کو مجنون کہنا شروع کر دیا۔

4- قرآن میں کہیں کہیں متفرق آیات آتی ہیں' پھر ان کے بعد کوئی ایسی حقیقت بیان ہوتی ہے جو ان متفرق آیات کو جمع کر لیتی اور ان میں وحدت پیدا کر دیتی ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ متفرق آیات بعد میں بیان ہونے والی حقیقت کی تمہید کے طور پر تھیں۔ اس کی مثال سورہ بقرہ کی آیات 159 تا 177 میں دیکھی جا سکتی ہے۔

5- نظم کے مخفی ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمہیدی مضامین اور معترضہ جملے عام انداز میں بیان ہوئے ہیں جبکہ ایسے مقامات پر کلام کا رخ کسی خاص جانب کو ہے۔ ایسے مواقع پر لازم ہوتا ہے کہ عام کو بھی اس کی خاص جہت کی طرف لوٹایا جائے۔

6- متعدد مقامات پر کلام میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے لیکن موقع ایسا ہوتا ہے کہ بات کو خاص کر دینا مقصود نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں تو ہیں ہی ایسی کہ جن میں اشتباہ کو برقرار رکھنا ہی مطلوب ہے' مثلاً" قیامت کی گھڑی جس کا وقت واضح نہیں کیا گیا۔

قاری کے فہم پر مبنی وجوہ:

1- مفسر کا کسی خاص فن سے تعلق یا اس میں اختصاص بھی نظم قرآن کو مخفی کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ علم کلام سے شغف رکھنے والا ہر چیز میں مسئلہ جبر و قدر کا حل تلاش کرے گا' جیسا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں تم دیکھتے ہو۔ صوفیانہ مزاج کا حامل مفسر ہر آیت میں روح کی حقیقت اور باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت کو تلاش کرتا نظر آئے گا۔ ایک فقیہ فروعی احکام کو زیادہ اہمیت دے گا۔ ایک محدث غیر مشہور روایات کو بھی جید قرار دے کر کوئی ایسی چیز پیش کر دے گا جس سے نظم قرآن کا سررشتہ گم ہو کر رہ جائے۔

2- شک میں مبتلا ایسے کثیر لوگ ہیں جو کسی ایک رائے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ مختلف اقوال کو تفسیر کے طور پر جمع کر لیتے ہیں۔ ان مختلف اقوال کے اندر سے ایک ایسا قول برآمد کرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے نظم کلام درست ہوتا ہو۔

3- بعض لوگ کسی خاص مقصد سے قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں- وہ الفاظ کو پھیر کر اپنے مطلب کے ایسے معانی پہنا دیتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی- وہ ہر کمزور معنی پر' جو ان کی موافقت میں ہو' اعتماد کر لیتے ہیں اور ہر اس واضح معنی سے' جو ان کے غیر موافق ہو' آنکھیں بند کر لیتے ہیں-

4- نظم قرآن کے مخفی رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مدنیت کے تقاضوں سے لوگوں کی طبائع ان لوگوں سے بے حد مختلف ہو چکی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا تھا- شہروں کے اندر خاص میلانات پیدا ہو جاتے ہیں' طبیعتیں ایک غیر فطری سانچے میں ڈھل جاتی ہیں جو اس فطری سادگی سے کوسوں دور ہوتا ہے جو آزاد فضا میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے اور جس میں کوئی کجی نہیں ہوتی-

قرآن میں گہرائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ محدود و مقید نہیں ہے- چونکہ اس کا سرچشمہ فطرت سے پھوٹا ہے اس لئے اس میں رفعت بھی ہے اور وسعت بھی- شہری اور بدوی عقل میں وہی فرق ہے جو ان کی بصارت میں ہے- شہروں میں تم زرقا (1) کو پاؤ گے نہ ابن حلزہ (2) کو اور بدویوں میں تمہیں کوئی حریری (3) نہیں ملے گا جو غیر مانوس الفاظ اور منقش زبان لکھتا ہو-

تفاسیر میں خطا کے اسباب:

تفسیر میں خطا کی دراندازی ان تمام اسباب کے باعث ہوتی ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے- ان کے علاوہ دو اور خاص پہلو ہیں جن کے باعث تفسیر غلط ہوئی ہے- یہاں ہم ان کا ذکر کریں گے:

1- جب سے امت محمد ﷺ نے مذہب میں فرقہ واریت اختیار کی ہے ہر فرقہ نے ایک خاص مذہب کو اختیار کر لیا ہے جو فروعات میں دوسرے فرقہ سے بالکل الگ ہے- اس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ اگر اس فرقہ کے مذہب کی مخالفت میں کچھ کہا جائے گا تو وہ باطل محض ہوگا- چنانچہ تمام فرقوں نے قرآن کی تاویل بھی اپنے اپنے مذہب کے مطابق کر دی- وہ قرآن کی طرف دل کی سادہ لوح کے ساتھ نہیں آئے- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفسرین کی تفسیریں ایک دوسرے

---

(1) مراد زرقاء الیمامہ ہے جس کا تعلق یمامہ کے قبیلہ بنو جدیس سے تھا اور وہ نظر کی تیزی کے لئے مشہور تھی- کہا جاتا تھا کہ زرقا تین دن کی مسافت کے علاقے کو دیکھ سکتی ہے- (مترجم)

(2) حارث بن حلزہ یشکری- جاہلی شاعر جس کا قصیدہ معلقات میں شامل ہے- (مترجم)

(3) بصرہ کے مشہور ادیب قاسم بن علی حریری (م 516 ھ) جن کی متعدد کتابوں میں سے مقامات حریری بے حد مشہور ہے- (مترجم)

کے مخالف ہو گئیں- ایک مفسر کے لئے واجب ہے کہ تفسیر کرنے سے پہلے وہ کوئی مخصوص مذہب نہ رکھتا ہو- ایک مقلد کے لئے قرآن میں غور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے-

پاک شو اول و پس دیدہ بر آں پاک انداز

2- متکلمین کا رجحان یہ ہے کہ وہ ہر اس حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کے نقطہ نظر کے خلاف دلیل بنتی ہو- وہ کسی چیز کا توڑ کرنے کے لئے سب سے قوی ذریعہ اختیار کرتے ہیں اور یہ قوی ترین ذریعہ اس چیز کا انکار ہے- چنانچہ دیکھو گے کہ ابو مسلم (1) اور سید احمد (2) نے قرآن میں نسخ کا انکار کر دیا- حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کا میلان بھی اسی طرف ہے- اسی طرح سید احمد نے جب دیکھا کہ ظاہر قرآن کے لحاظ سے حضرت محمد ﷺ کے لئے معجزہ کی نفی ثابت ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو اس اعتبار سے حضورؐ پر فوقیت حاصل ہوتی ہے تو انہوں نے معجزہ ہی کا انکار کر دیا-

نظم کی رعایت کے بغیر تفسیر اختلاف کا باعث ہے:

ہم یہ دکھانے کے لئے کہ نظم کا لحاظ کئے بغیر کسی آیت کی تاویل کس طرح مختلف ہو جاتی ہے اور نظم کی رعایت کیسے اس کو واضح کر دیتی ہے' ایک مثال پیش کرتے ہیں- سورہ نور کی آیت 63 **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** (تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو) کے تحت امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت کے مفہوم کے کئی پہلو ہیں- مبرد اور قفال نے جس پہلو کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ تمہیں جو حکم دیں اور تمہارے لئے جو دعا کریں اس کو وہ حیثیت نہ دو جو تم آپس میں ایک دوسرے کے حکم یا دعا کو دیتے ہو- کیونکہ ان کا حکم ایک فرض لازم ہے- جو چیز اس مفہوم کی دلیل فراہم کرتی ہے وہ اس کے بعد کا جملہ **فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ** (پس جو لوگ اس کے حکم سے گریز کرتے رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ ______) ہے-

---

(1) مراد ابو مسلم اصفہانی (م 322 ھ) ہیں جن کی تفسیر جامع التاویل کے نام سے ہے- انہوں نے ایک کتاب الناسخ و المنسوخ کے نام سے لکھی جس کی طرف مصنف علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے- (مترجم)

(2) مراد سر سید احمد خان ہیں- (مترجم)

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ کو اس طرح نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یعنی یا محمدؐ اور یا ابا القاسم مت کہو بلکہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہا کرو۔ یہ تاویل سعید بن جبیر کی ہے۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ کو پکارنے میں اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ گویا اس آیت کی مراد بھی وہی ہے جو آیت **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ ___** الایہ کی ہے۔ یہ تاویل ابن عباسؓ کی ہے۔

اس کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ کی بددعا سے بچو جس کا وبال ان کو ناراض کرنے کی صورت میں تم پر آپڑے گا۔ ان کی بددعا دوسرے لوگوں کی بددعا کی طرح نہ ہوگی۔

ان میں سے پہلی تاویل آیت کے نظم سے قریب تر ہے"

امام صاحبؒ نے اس تاویل کو قابل ترجیح قرار دیا ہے جس کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ہمارے خیال میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ جب تمہیں بلائیں تو لازم ہے کہ ان کے پاس آؤ' خواہ یہ بلانا تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف۔ اور ان کی بات سنو اور اس کی تعمیل کرو۔ جب تک رسول اللہ اس معاملہ کا فیصلہ نہ کردیں جس کے لئے انہوں نے تم کو طلب کیا ہے' اس وقت تک ان کے پاس سے رخصت نہ ہونا کیونکہ آنحضرتؐ کے حکم کی مخالفت گناہ ہے۔ آیت کے اس مفہوم کے حق میں پوری آیت کا مضمون دلیل مہیا کر رہا ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔

لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم

(تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں سے اچھی طرح باخبر رہا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جایا کرتے رہے ہیں۔ پس جو لوگ اس کے حکم سے گریز کرتے رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا ان کو ایک دردناک عذاب آپکڑے)

ہماری بیان کردہ تاویل کے حق میں ایک واضح دلیل اسی سورہ کی آیات 47 تا 52 ہیں۔ ممکن ہے مبردؒ اور قفالؒ کے پیش نظر بھی یہی بات رہی ہو اور امام رازیؒ نے اس کو نہ سمجھا ہو۔

مقالات

خالد مسعود

فتح مبین (معاہدہ حدیبیہ)

یہود اور قریش کی اجتماعی منصوبہ بندی سے ہونے والی جنگ احزاب کا بالکل لا حاصل رہنا ان دونوں طاقتوں کے لئے بڑی خفت کا باعث ہوا۔ قریش اب مسلمانوں کو زیر کرنے کے امکانات معدوم پاتے تھے۔ وہ پورے عرب کو متحرک کرکے جن وسائل کی مدد سے مدینہ پر حملہ آور ہو کر ہزیمت اٹھا چکے تھے ان وسائل کو دوبارہ فراہم کرنا آسان نہ تھا۔ اگر ایسا کرنا ممکن بھی ہوتا تو ایک مرتبہ ناکام ہونے کے بعد بالکل ویسی ہی دوسری کارروائی کے لئے کوئی عزم و حوصلہ کہاں سے لاتا جبکہ اس کے ثمر آور ہونے کا کسی کو یقین نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ احزاب کے بعد کے عرصہ میں قریش کچھ غیر متحرک نظر آتے ہیں۔

قریش کے برعکس مسلمانوں نے اس جنگ سے مثبت نتائج حاصل کئے اور یہ مہم ان کے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی۔ اس کی بدولت مدینہ کے نواح میں مقیم واحد یہودی قبیلہ بنو قریظہ کا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔ منافقین کے اس گروہ کی منافقت ہر کسی پر عیاں ہو گئی جس نے جنگ کے دوران پانچویں کالم کا کردار ادا کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اس مہم کے احوال و نتائج نے حقیقی اہل ایمان کے اندر اسلام کے ساتھ وابستگی اور نصرت خداوندی پر اعتماد میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔

خیبر کے یہود ابھی حالات سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ وہ برابر سازشوں کا تانا بانا بننے میں مصروف رہے اگرچہ اس میں ان کو کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

نبی ﷺ کا عزم عمرہ:

جنگ احزاب کے ایک سال بعد حالات نے یکایک ایک غیر معمولی رخ اختیار کرلیا جس کی توقع نہ مسلمانوں کو تھی نہ قریش کو اور نہ یہود کو۔ ہوا یوں کہ نبی ﷺ نے ایک رویا دیکھی کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں اور اس کے بعد سر کے بال منڈواتے ہیں۔ مسجد

حرام کے تعلق سے سر کے بال منڈوانا عمرہ کی ادائیگی کا قرینہ ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے اس رویا سے اس بات کی بشارت حاصل کی کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ عمرہ ادا کریں گے اور مناسک کی تکمیل کریں گے۔ اگرچہ قریش نے مسلمانوں پر بیت اللہ کے دروازے بند کر رکھے تھے' اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی تعلقات کی نوعیت بھی ایسی نہ تھی کہ مکہ کے لئے رخت سفر باندھا جاتا لیکن رویا کو اشارہ خداوندی سمجھتے ہوئے آنحضرتؐ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے مسلمانوں میں منادی کرادی کہ آپ آئندہ محترم مہینہ ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا تمام مسلمان اس سفر میں آپ کا ساتھ دیں۔

رویا کی روشنی میں آنحضرتؐ کا یہ فیصلہ جذباتی تھا نہ عاجلانہ' بلکہ اس سے حکم خداوندی کی تعمیل مقصود تھی۔ پیغمبر کی رویا وحی کی ایک شکل ہوتی ہے اگرچہ اس طریقہ وحی میں بعض تفصیلات مبہم ہوتی ہیں جن کی مراد بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم پیغمبر رویا کو اشارہ غیبی سمجھتے اور اس کے مطابق اقدام کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رویا میں یہ دیکھا کہ اپنے فرزند کو خدا کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں تو انہوں نے اس کو اشارہ غیبی اور حکم خداوندی سمجھتے ہوئے اس پر عمل درآمد کرنا چاہا لیکن عین وقت پر جب وہ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے آستین چڑھا چکے تھے ان کو روک دیا گیا۔ وحی کے ذریعہ سے رویا کی حقیقت یہ کھلی کہ اس حکم سے مقصود امتحان تھا نہ کہ حقیقی ذبح۔ رویا کے اشارہ کی صحیح تعبیر فرزند کو بیت اللہ کی خدمت کے لئے وقف کر دینا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حرم کعبہ کی پاسبانی پر مامور کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح نبی ﷺ کا مکہ جانے کے لئے تیار ہو جانا حکم خداوندی کی تعمیل میں تھا اور اس کا کوئی سیاسی مقصد نہ تھا۔

مستشرقین جب سیرت نبوی پر قلم اٹھاتے ہیں تو دور کی کوڑیاں لاتے ہیں۔ مشہور مستشرق منٹگمری واٹ اپنی کتاب "محمد مدینہ میں" (Muhammad At Medina) کے مبحث حدیبیہ میں لکھتا ہے کہ عمرہ کے اس سفر کا مقصد عربوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ اسلام کوئی بیرونی مذہب نہیں جس کی جڑیں عرب میں نہ ہوں۔ اس کی جڑیں مکہ میں ہیں اور مسلمان حج و عمرہ کی عبادات میں اسی طرح دلچسپی رکھتے ہیں جس طرح دوسرے عرب۔ لہٰذا اسلام اگر غالب آگیا تو اس سے مکہ کی مرکزیت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ واٹ کی اس قیاس آرائی کا جواز اس صورت میں تسلیم کیا جا سکتا تھا جب اسلام میں حج و عمرہ کی عبادات یا مکہ کی مرکزیت کے بارے میں اسلام کی پالیسی پہلی مرتبہ نبی ﷺ کے اس سفر ہی سے اخذ کی جا رہی ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے کئی سال پہلے مکی دور کی سورتوں ہی میں قریش کو اس بات کا مجرم ٹھہرایا تھا کہ انہوں نے اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائم کردہ مرکز توحید کو شرک کا گڑھ بنا رکھا ہے اور بیت اللہ کی عبادات کا حلیہ بگاڑ کر ان کو رسوم کی حیثیت

دے دی ہے۔ لہٰذا قریش کی حیثیت ایک خائن گروہ کی ہے جو بیت اللہ کے وسائل پر قابض ہو بیٹھا ہے۔ اس کے بعد ہجرت کے پہلے سال ہی میں بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دے کر اس کو ملت اسلامیہ کا مرکز بنا دیا گیا تھا اور اس سے متعلق عبادات میں مناسب اصلاحات بھی کر دی گئیں۔ نیز اس کو خائنوں کے تسلط سے آزاد کرنے کی غرض سے مسلح جدوجہد کا حکم دیا گیا۔ یہ تمام امور سورہ بقرہ میں زیر بحث آئے ہیں جس کا نزول ہجرت کے فوراً" بعد ہوا۔ بدر' احد اور خندق کے معرکے اس کے بعد پیش آئے۔ لہٰذا واٹ پر یہ بات واضح ہو یا نہ ہو' عربوں پر بالکل واضح تھی کہ مسلمانوں کا مرکز بیت اللہ ہے اور وہ ملت ابراہیمؑ کا احیاء چاہتے ہیں۔

بعض سیرت نگاروں۔ مثلاً" مصر کے حسین ہیکل ـــــ نے نبی ﷺ کے سفر کا مقصد حج کرنا بتایا ہے۔ یہ قیاس آرائی بھی کئی اعتبار سے غلط ہے۔ اولاً" یہ معلوم ہے کہ ذی قعدہ شروع ہوتے ہی آنحضرتؐ مکہ کو روانہ ہو گئے۔ اگر حج کے لئے روانگی مقصود ہوتی تو اس کا وقت ذی قعدہ کا اخیر ہوتا تاکہ دو اڑھائی ہفتہ میں سفر سے واپسی ممکن ہو جائے۔ حجتہ الوداع میں حضورؐ نے ایسا ہی نظام الاوقات اختیار کیا۔ ذی قعدہ کے آغاز میں روانہ ہونے سے حج کی صورت میں مرکز سے آنحضرتؐ کی غیر حاضری پچاس پچپن دن کے لگ بھگ ہوتی جو اس پر آشوب زمانہ میں قرین مصلحت نہیں تھی۔ ثانیاً" روایات کے مطابق حدیبیہ میں ہونے والے مذاکرات میں آنحضرتؐ نے اپنا مقصد عمرہ کرنا ہی بیان فرمایا۔ ثالثاً" مقصد سفر کے پورا نہ ہو سکنے کی جو قضا آپ نے آئندہ سال ادا کی وہ عمرہ کی تھی۔ اگر حج کا سفر نا تمام رہا ہوتا تو اس کی قضا بھی حج ہی سے ادا ہوتی۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ آنحضرتؐ کا نکلنا عمرہ کے لئے تھا نہ کہ حج کے لئے۔

رویا کی روشنی میں آنحضرتؐ کے اعلان اور عزم سفر سے جہاں مخلص مسلمان فرحت و انبساط سے جھوم اٹھے اور عمرہ کی تیاریوں میں لگ گئے وہیں منافقین اور کمزور مسلمان طرح طرح کے اندیشوں میں گرفتار ہو گئے اور حیلے بہانوں سے زحمت سفر سے بچنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ اطراف مدینہ کے منافقین نے تو اس سفر کو خود کشی قرار دیا۔ دستور کے مطابق احرام کی حالت میں ایک زائر سفر کے دوران اپنے دفاع کے لئے ایک تلوار' نیام میں' اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔ قریش کی مخاصمت کی پوری تاریخ منافقین کی نظروں کے سامنے تھی۔ وہ جانتے تھے کہ قریش نبی ﷺ کے خون کے پیاسے ہیں اور اپنے مرکز میں نہتے پہنچ جانے والے مسلمانوں کو وہ لقمہ تر سمجھیں گے۔ لہٰذا انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ مسلمان جنگجو قریش کے ہاتھوں موت کے منہ میں جانے سے اپنے آپ کو بچا سکیں گے۔ ان کی پختہ رائے یہی قائم ہوئی کہ مکہ جانے والوں کو گھر پلٹنا نصیب نہیں ہوگا۔ منافقین کی اس بد اندیشی کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ **بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول و المومنون الی اهلیهم ابدا و زین ذلک فی قلوبکم و ظننتم ظن السوء و کنتم قوما بورا** (فتح 12)

(بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اور ان کے ساتھیوں کو اب کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا نصیب نہ ہوگا اور یہ بات تمہارے دلوں میں رچ بس گئی اور تم نے برے برے گمان کئے اور بالآخر ہلاک ہونے والے بنے)

بعض مسلمانوں نے اس مہم کو مالی فوائد کے لحاظ سے جانچا۔ ان کا خیال تھا کہ عام جنگوں میں حصہ لینے والوں کو مال غنیمت حاصل ہونے کی توقع ہوتی ہے لیکن یہ سفر پر خطر ہونے کے ساتھ ساتھ مالی فوائد سے بالکل تہی دامن ہے۔ لہٰذا ایسی روکھی پھیکی مہم میں شامل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ منافقین اور یہ مسلمان سفر سے گریز کی راہ اختیار کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

مکہ کے لئے روانگی:

ذی قعدہ 6 ھ کا محترم مہینہ شروع ہوتے ہی نبی ﷺ نے کوچ کا حکم دیا تو چودہ پندرہ سو مخلص مسلمانوں نے آپ کی معیت اختیار کی۔ بیت اللہ کے پاس قربان کرنے کے لئے ستر اونٹ ساتھ تھے۔ ان کی گردنوں میں 'دستور کے مطابق' پٹے ڈال دیئے گئے جو اس بات کی علامت تھے کہ یہ جانور نذر کے ہیں۔ ذو الحلیفہ کی میقات پر پوری جمعیت نے عمرہ کا احرام باندھا اور یہ قافلہ مکہ کو روانہ ہوا۔ بسر بن سفیان کعبیؓ کو جاسوسی کے لئے آگے روانہ کر دیا گیا تاکہ دشمن کی طرف سے کوئی قابل ذکر اقدام ہو تو بروقت اس کی خبر دیں۔ دستور کے مطابق ہر زائر کے پاس ایک تلوار نیام میں موجود تھی۔ اس کے سوا کوئی اسلحہ جنگ نہ تھا۔

مکہ سے دو منزل پہلے عسفان کے مقام پر مخبر نے اطلاع دی کہ قریش نے مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی سے کام لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمان عمرہ کے بہانے مکہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ چونکہ مسلمان اور قریش حالت جنگ میں ہیں لہٰذا قریش نے حلف اٹھایا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ وہ خود بھی جنگ کے لئے تیار ہیں اور انہوں نے اپنے حلیف قبائل کے جنگجو لشکر ـــــ احابیش ـــ کو بھی طلب کر لیا ہے۔ ابتدائی اقدام کے طور پر خالد بن ولید کے زیر کمان دو سو گھڑ سواروں کا ایک دستہ ذوطویٰ میں متعین کر دیا گیا ہے۔ روایات کے مطابق یہ خبر سن کر نبی ﷺ نے نہایت غم و یاس کے ساتھ فرمایا۔ "قریش پر افسوس ہے۔ جنگی جنون نے ان کو برباد کر دیا۔ پھر بھی انہوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ میرے درمیان اور عربوں کے درمیان حائل نہ ہوتے۔ اس سے ان کا کچھ نہ بگڑتا۔ اگر عرب مجھے قتل کر دیتے تو قریش کی مراد پوری ہو جاتی۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے عربوں پر غلبہ عطا فرما دیتا تو قریش اسلام میں جوق در جوق داخل ہو جاتے۔ اور اگر اسلام قبول نہ کرنا چاہتے تو جنگ کی راہ اختیار کر لیتے جس کی طاقت وہ رکھتے ہیں۔ میرے بارے میں انہیں سخت بدگمانی ہے۔ بخدا میں اس پیغام کے ساتھ جو اللہ

نے مجھے دے کر بھیجا ہے' ان سے برابر کشمکش کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر دے یا میری گردن کٹ جائے۔"

آنحضرتؐ کے یہ جملے شدید تاثر لئے ہوئے ہیں۔ آپ کے اندر اپنی قوم کے لئے جو شفقت اور قرابت داری کی محبت موجزن تھی ان جملوں میں اس کا اظہار بھی ہے اور قریش کی نادانی اور مصلحت نااندیشی پر گہرا افسوس بھی۔ اس کے باوجود آپ نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے عزم بالجزم کا برملا اظہار فرمایا ہے' کیونکہ اس پر کوئی سمجھوتہ ممکن نہ تھا۔

مخبر کی اطلاع کی روشنی میں نبی ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ رائے یہ ہوئی کہ آگے جانے کے لئے شاہراہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیا جائے۔ ایک واقف کار ساتھی کی رہنمائی میں آپ شاہراہ کے دائیں طرف مڑ گئے اور دشوار گزار پہاڑیوں اور سنگلاخ علاقے سے گزرتے ہوئے راتوں رات حدیبیہ کے میدان میں جا پہنچے جو مکہ کی وادی میں شہر سے صرف نو میل دور ہے اور جہاں سے حدود حرم کا آغاز ہوتا ہے (آج کل یہ مقام شمیسیہ کہلاتا ہے۔ مکہ میں داخلہ سے پہلے زائرین کے کاغذات یہاں چیک کئے جاتے ہیں) یہ ایک خدا ساز بات ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر قافلہ شاہراہ کو نہ چھوڑتا تو مکہ سے دو منزل دور ہی اسے روک دیا جاتا' مڈبھیڑ بھی عین متوقع تھی اور حرم میں حاضری کی حسرت دلوں ہی میں رہ جاتی۔ قافلے کا رخ تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ نے قریش کے ساتھ مڈبھیڑ کا خطرہ ٹال دیا اور قافلے کو بے روک ٹوک ایک ایسی جگہ پہنچا دیا جو حدود حرم میں شامل تھی۔ یہاں پہنچ کر اہل ایمان کو ایک گونہ تسکین میسر آگئی کہ اگر وہ عین حرم میں نہیں پہنچے تو کم از کم حرم کے جوار میں ہیں۔ اس مقام میں جنگ کا خطرہ بھی کم ہو گیا کیونکہ عرب دستور کے مطابق حدود حرم میں جنگ جائز نہ تھی۔ اگر قریش اس دستور کی خلاف ورزی کرتے تو سارے عرب میں مطعون ہو جاتے۔ لہٰذا یہاں مسلمانوں کو دوہرا تحفظ حاصل تھا۔ ایک محترم مہینے کا اور دوسرا حدود حرم میں ہونے کا۔ اب وہ قریش کے حملوں سے محفوظ و مامون تھے۔

روایات کے مطابق حدیبیہ پہنچ کر نبی ﷺ کی اونٹنی القصواء رک گئی اور کوشش کے باوجود اس نے قدم آگے نہیں بڑھائے۔ لوگوں نے اس کو ایک اڑیل جانور کی ضد پر محمول کیا لیکن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضد کرنا القصواء کی فطرت میں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے جس خدا نے ہاتھیوں کے قدم روک دیئے تھے اسی خدا نے اونٹنی کے قدم بھی روک دیئے ہیں۔ لہٰذا تمام لوگ یہیں منزل کریں۔ آپ کا اشارہ اصحاب الفیل کے واقعہ کی طرف تھا جو تقریباً ساٹھ سال قبل پیش آیا تھا۔ اس وقت یمن کے حکمران ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی۔ اس کا لشکر پیش قدمی کرتا ہوا جب منیٰ میں پہنچا تو وادی محسر میں فوج میں شامل ہاتھی بیٹھ گئے اور کوشش کے باوجود اٹھنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے تقدس کی پامالی کی راہ روکنے کے لئے ان کے قدم روک دیئے تھے۔ القصواء کے

رکنے سے آنحضرتؐ نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ حدیبیہ سے مسلمانوں کی پیش قدمی کی صورت میں قریش آمادہ جنگ ہو جائیں گے اور بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ لہٰذا خدا کے گھر کے تقدس کی خاطر آپ نے وہیں پڑاؤ کا حکم دیا۔ بعد کے حالات سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کا اندیشہ سو فی صد درست تھا۔

ادھر عسفان کی طرف بڑھنے والے قریشی دستہ کے علم میں جب یہ بات آئی کہ مسلمانوں کا قافلہ راستہ تبدیل کر کے دائیں جانب کو مڑ گیا ہے تو وہ فی الفور مکہ کو لوٹنے اور شہر کے دفاع کے لئے حدیبیہ کی طرف منتقل ہو گئے۔ ان کی ایک جمعیت نگرانی کے لئے مسلمان کیمپ کے ارد گرد برابر موجود رہی۔ القصواء کے قدم رکنے کے غیبی اشارے اور قریش کی جانب سے مزاحمت کے واضح امکان کو دیکھتے ہوئے نبی ﷺ نے اس موقع پر جو بات فرمائی وہ ایک پیغمبر ہی فرما سکتا ہے۔ واقدی کے بیان کے مطابق آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر قریش مجھ سے کوئی ایسی بات منوانا چاہیں گے جس سے اللہ کی حرمتوں کی تعظیم مقصود ہو تو میں اس کو تسلیم کرلوں گا"۔ گویا قریش کے معاندانہ رویہ اور سخت موقف کے جواب میں آپ نے اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے کا عندیہ دیا۔ اس کی بنیادی وجہ کمزوری نہ تھی بلکہ اللہ کے شعائر کی تعظیم کا وہ جذبہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و تقویٰ کا تقاضا بتایا ہے:

و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب (حج 32)

(اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یاد رکھے کہ یہ چیز دل کے تقویٰ سے تعلق رکھنے والی ہے)

یاد رہے کہ یہ آیت بیت اللہ اور حج و عمرہ کے حقوق ہی کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

قریش کے ساتھ رابطے:

حدیبیہ میں مسلمانوں کے بعض خیر خواہوں نے بنو خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء کی قیادت میں نبی ﷺ سے ملاقات کی تاکہ آپ کو قریش کے ارادوں سے مطلع کریں اور آنحضرتؐ کا عندیہ معلوم کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ارادہ محض عمرہ ادا کرنے کا ہے۔ ہم اس کے مناسک سے فارغ ہوتے ہی مدینہ کو لوٹ جائیں گے۔ بدیل نے بتایا کہ قریش نے اس بات کا حلف اٹھا رکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے لئے وہ لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرا ارادہ جنگ بازی کا نہیں ہے۔ قریش کو محاذ آرائی کی پالیسی نے اب تک بہت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ اگر میرے اور عرب کے درمیان حائل نہ ہونے کی کوئی مدت ٹھہرا لیں تو قرابت داری کی محبت کے تحت میں ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر وہ ہم پر جنگ مسلط کریں

گے تو چار و ناچار ہمیں بھی تلوار بے نیام کرنی پڑے گی اور وہ ہمیں اس کے لئے بھی تیار پائیں گے۔

بدیل قریش کے اکابر کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے مکہ گیا۔ ابھی وہ ملاقات کی روداد بتانا ہی چاہتا تھا کہ ان کے جذباتی لیڈر عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص بیخ پا ہو کر کہنے لگے۔ ہمیں یہ سننے کی ضرورت نہیں کہ تم ان کی کیا خبر لائے ہو' البتہ ان کو ہمارا پیغام پہنچا دو کہ جب تک ہمارا ایک فرد بھی موجود ہے مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس پر ثقیف کے ایک سردار عروہ بن مسعود نے ان کو سخت سست کہا اور بتایا کہ اس طرح کے جذباتی فیصلے کرنے والی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بدیل کی بات تو سنو۔ پسند آئے تو قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔ اس پر دوسرے لیڈروں نے بدیل کی ملاقات کی تفصیل معلوم کی۔ اس پر عروہ کا تبصرہ یہ تھا کہ محمدؐ نے اچھی پیشکش کی ہے جس کو قبول کر لینا چاہئے۔ قریش کے لیڈروں نے سمجھوتہ کی بات کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے مسلمانوں پر دباؤ بڑھانے کی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا' جیسا کہ بعد کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے۔

اس صورت حالات کا صحیح جائزہ خود لینے کے لئے قریش کے بازوئے شمشیر زن ___ احابیش ___ کے سردار حلیس بن علقمہ نے حدیبیہ کا قصد کیا۔ اس نے تمام مسلمانوں کو حالت احرام میں پایا۔ قربانی کے جانور علامتی پٹے پہنے ہوئے قطار در قطار کھڑے تھے۔ پورے کیمپ میں جنگی عزائم کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی نہیں ملتا تھا۔ حلیس کو مسلمانوں کے ارادہ عمرہ کے سچے ہونے کا یقین آگیا۔ اس کی مذہبیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ڈیڑھ ہزار انسانوں کو مناسک سے اور کثیر تعداد میں ہدی کے جانوروں کو بیت اللہ کی نذر ہونے سے روک دیا جائے۔ اس نے مکہ واپس آکر قریشی لیڈروں کو اپنے تاثر سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس کو حلیس کی سادہ لوحی پر محمول کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔ اس نے بپھر کر کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ ہو کر لڑنے کا معاہدہ اس لئے نہیں کیا کہ کوئی شخص اگر بیت اللہ کی تعظیم کے ارادہ سے بھی آئے تو تم اس کی راہ میں مزاحم ہو جاؤ۔ بخدا' تمہیں محمدؐ کو عمرہ کی اجازت دینی ہوگی ورنہ میں اپنا ایک ایک سپاہی لے کر تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ قریش اپنی صفوں میں اختلاف پیدا ہوتے دیکھ کر متفکر ہوئے' حلیس کو ٹھنڈا کیا اور وعدہ کیا کہ ہم محمدؐ سے مذاکرات کی راہ نکالیں گے اور قابل قبول شرائط پر اس سے معاہدہ کی کوشش کریں گے۔

نبی ﷺ سے گفت و شنید کا آغاز کرنے کے لئے عروہ بن مسعود ثقفی کا انتخاب ہوا۔ اس نے مذاکرات شروع کئے تو قریش کی طے کردہ پالیسی کے مطابق اس نے مسلمانوں کی تحقیر اور ان کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے قریش کی جنگی تیاریوں اور یکجہتی کے ساتھ آمادہ جنگ ہونے کا ذکر کیا۔ صحابہ کرامؓ پر یہ پھبتی کسی کہ یہ بھانت بھانت کے لوگ مشکل صورت حال میں تمہارا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ عروہ نے قریش کے ساتھ نبی ﷺ کے قومی و خاندانی روابط کا حوالہ دیا اور یہ

مشورہ دیا کہ اپنی آمد کے پرامن ہونے کا یقین دلانے کے لئے قریش کے پاس اپنا کوئی نمائندہ بھیجو۔ (تاریخ اسلام حافظ ذہبی) عروہ کے انداز گفتگو سے صحابہ کرامؓ بے حد برا فروختہ ہوئے اور انہوں نے اس کو تحقیر کے ساتھ جواب دیا۔ نبی ﷺ نے عروہ پر اپنا وہی موقف واضح کیا جو بدیل کے سامنے پیش کر چکے تھے۔ عروہ پر صحابہ کی آنحضرتؐ کے لئے غیر معمولی تعظیم اور جاں نثاری کا خاص طور پر اثر پڑا۔ مکہ جا کر اس نے تمام کوائف بیان کئے اور مشورہ دیا کہ قریش معاملے کو سہل انگاری کے ساتھ نہ لیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کے نتائج و عواقب پر اچھی طرح غور کر لیں۔ محمدؐ نے صلح کی جو پیشکش کی ہے وہ لائق توجہ ہے۔ اس کو رد کرنا مناسب نہ ہوگا۔

عروہ کے مشورہ کے مطابق نبی ﷺ نے خراش بن امیہ الخزاعی کو اپنا نمائندہ بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ وہ مکہ گئے تو ان کی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور خود ان پر بھی حملہ کیا گیا۔ احابیش نے مداخلت کر کے ان کو بچایا اور وہ اپنے کیمپ کو لوٹ آئے۔ نبی ﷺ نے محسوس کیا کہ قریش کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے سفارت کسی قریشی کے سپرد کرنا مناسب ہوگا۔ قریش کی قدیم اور روایتی تقسیم کار کے لحاظ سے منصب سفارت کے لئے بنو عدی کا انتخاب ہوتا تھا۔ اس روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، جن کا تعلق بنو عدی سے تھا، کہ جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ قریش کو خاص ان کی ذات سے بڑی شکایات ہیں لہذا وہ ان کے ساتھ بات کرنے میں تعصب سے کام لیں گے۔ نیز قریش کے مشتعل جذبات کو دیکھتے ہوئے مذاکرات کے لئے ایسا آدمی بھیجنا چاہئے جس کے ہم قبیلہ وہاں اس کو تحفظ فراہم کرنے والے موجود ہوں۔ اس وقت مکہ میں بنو عدی کا کوئی مضبوط آدمی نہیں ہے جو ان کو پناہ فراہم کر سکتا ہو۔ یہ مشورہ نہایت صائب تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔ ان کا تعلق بنو امیہ سے تھا اور قریش کی سرداری اسی قبیلہ کے پاس تھی۔ حضرت عثمانؓ مکہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ان کی ملاقات اپنے ایک خیر خواہ و ہم قبیلہ ابان بن سعید بن العاص سے ہو گئی۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور قریش کے لیڈروں سے ان کی ملاقات کرائی۔ قریش نے اپنے فیصلہ کے مطابق جواب دیا کہ وہ اس سال کسی قیمت پر مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت نہیں دیں گے لیکن حضرت عثمانؓ کے لئے ایسی کوئی قدغن نہیں ہے، وہ اپنے مناسک ادا کر سکتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ جب پیغمبر ﷺ کو عمرہ سے روکا جا رہا ہے تو وہ ان کے بغیر عمرہ نہیں کریں گے۔

بیعت رضوان:

عروہ کی دھمکی آمیز گفتگو اور خراشؓ کی اونٹنی اور خود ان پر حملہ سے قریش نے مسلمانوں کو مرعوب و خوفزدہ کرنے کی جو کوشش کی تھی اس کو مزید سنجیدہ بنانے کے لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ

کی آمد سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ انہوں نے ان کے ساتھ مذاکرات کو غیر ضروری طور پر طول دیا اور ساتھ ہی مسلمان کیمپ میں یہ افواہ پھیلا دی کہ عثمانؓ کو مکہ میں قتل کر دیا گیا ہے۔ سیرت نگاروں نے اگرچہ متعین طور پر یہ نہیں بتایا کہ یہ افواہ کس نے پھیلائی لیکن قرائن اس کا ذمہ دار قریش کو ٹھہراتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کیمپ میں از خود یہ بات نہیں پھیل سکتی تھی۔ اہل ایمان کی تربیت جس طرز پر ہوئی تھی اس میں ہر شخص نہایت ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرتا اور ہر معاملے میں نبی ﷺ سے رہنمائی لیتا تھا۔ افواہ سازی کا فن جن منافقین کو آتا تھا وہ اس سفر میں شریک نہ ہوئے تھے اور یہ جمعیت خالص و مخلص مسلمانوں کی تھی۔ قریش کی طرف سے متعین کردہ لوگ مسلمان کیمپ کی نگرانی اور ان سے چھیڑ چھاڑ کے لئے برابر منڈلاتے رہتے تھے۔ ان کے ذریعے کوئی بھی افواہ پھیلانا نہایت آسان کام تھا اور قریش کے اب تک کے معاندانہ رویہ کے تسلسل میں ایسی کارروائی بالکل متوقع تھی۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ قریش ہی کے منصوبہ سازوں نے یہ افواہ پھیلائی۔ جونہی یہ خبر مسلمانوں میں پھیلی اس کے درست ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہوا۔

قریش نے تو یہ افواہ مسلمانوں کو مزید خوفزدہ کرنے کے لئے پھیلائی لیکن اس کا اثر ان کی توقع کے برعکس ظاہر ہوا۔ بجائے اس کے کہ مسلمان خطرہ کے علاقہ سے بھاگنے کی تدبیریں کرتے، ہر شخص غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور انتقام انتقام پکارنے لگا۔ صحابہ کرامؓ کے اشتعال کو منضبط رکھنے کے لئے نبی ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اس بات پر مسلمانوں سے بیعت لینی شروع کی کہ وہ دشمن سے قتل عثمان کا انتقام لئے بغیر نہیں ٹلیں گے اور اس کے لئے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ صحابہؓ نے نہایت جوش و خروش اور حمیت دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ بیعت کی۔ اس بیعت کا منفرد پہلو یہ تھا کہ یہ غربت و مسافرت میں عین دشمن کے مرکز میں ایسے حالات میں ہوئی جب مسلمان احرام کی پابندیاں اپنے اوپر عائد کئے ہوتے تھے۔ ان کے پاس صرف تلواریں تھیں۔ نہ زرہیں تھیں، نہ تیر تفنگ اور نہ نیزے بھالے۔ ادھر دشمن پے درپے ایسے اشارے دے رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہر زیادتی روا رکھے گا۔ بیعت کرتے ہوئے اہل ایمان کے پاس جو سرمایہ تھا وہ اللہ کی طرف توجہ و انابت، ایمان و یقین، حمیت دین اور اللہ کی نصرت پر بھروسہ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرف قبول بخشا، حضرات صحابہؓ کے دلوں پر سکینت و طمانیت نازل فرمائی، ان کو اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی اور مستقبل قریب میں پے درپے کامیابیوں کی بشارت دی۔ قرآن نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحا قریبا و مغانم کثیرۃ یا خذونھا و کان اللہ عزیزا حکیما وعد کم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذو نھا فعجل لکم ھذہ و کف ایدی الناس عنکم و لتکون ایۃ للمومنین و یھدیکم صراطا مستقیما و

اخری لم تقدروا علیها قد احاط اللہ بها و کان اللہ علی کل شی قدیرا (الفتح 18 - 21)

"اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب کہ وہ تم سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے' تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا تو اتاری ان پر طمانیت' اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا' اور بہت سی غنیمتوں سے بھی جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ غالب و حکیم ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو تم پاؤ گے۔ پس یہ اس نے تم کو فوری طور پر دے دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے کہ یہ موجب طمانیت اور مسلمانوں کے لئے نشانی ہو اور تمہیں سیدھی راہ کی ہدایت بخشے۔ اور ایک دوسری فتح کا بھی وعدہ کیا جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے لیکن اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

اسلام کی تاریخ میں یہ بیعت' بیعت رضوان کے نام سے موسوم ہوئی اور مسلم معاشرہ میں ان تمام صحابہ کا ہمیشہ کے لئے ایک خاص مقام تسلیم کیا گیا جنہوں نے دین کے لئے جاں نثاری کا یہ عظیم الشان مظاہرہ کیا تھا۔ آیت میں بیان ہوا ہے کہ ان صحابہ کی خود اللہ تعالیٰ نے حوصلہ افزائی فرمائی اور یہی حوصلہ افزائی وہ اصل قوت ہے جس کو کوئی طاقتور سے طاقتور دشمن بھی شکست نہیں دے سکتا۔ بیعت کے نتیجہ میں اہل ایمان کو کئی فتوحات سے نوازا گیا جو اگرچہ ابھی درپردہ تھیں لیکن بارگاہ ایزدی میں ان کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ عنقریب فتح سے اشارہ فتح خیبر کی طرف ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے جلد بعد مسلمانوں کو حاصل ہوئی اور وہیں بکثرت مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آیا۔ وہ فتح جس کا احاطہ ہو جانے کی بشارت ہوئی' فتح مکہ ہے۔ اس کا احاطہ کیسے ممکن ہوا' یہ بحث آگے آئے گی۔

بیعت کی کارروائی ختم ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ صحیح و سالم واپس کیمپ میں پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ یہ افواہ غلط تھی۔ لہٰذا بیعت کے عہد کے تحت اب کسی کارروائی کی ضرورت نہ رہی۔ بہر حال صحابہ کرامؓ کو جو سرخروئی' حاصل ہوئی تھی وہ ہمیشہ کے لئے ان کا امتیازی نشان بن چکی تھی۔

معاہدہ صلح

قریش اب تک اپنے طور پر مطمئن تھے کہ انہوں نے دھمکیوں سے مسلمانوں کو مرعوب کر کے ان کے قدم مکہ کی جانب بڑھنے سے روک رکھے ہیں اور ان کی پالیسی توقع کے عین مطابق کامیاب رہی ہے۔ اسی لئے ان کے اشارات اور پیغامات سخت سے سخت تر ہوتے گئے۔ اب یکایک مسلم کیمپ میں انتقام کی فضا اور مرمٹنے پر بیعت کے جوش و خروش سے پیدا ہونے والی ناگہانی صورت حال میں ان کو اپنا کھیل بگڑتا ہوا نظر آیا۔ اس مرحلہ پر اس انتقامی کارروائی کے نتائج خود قریش کے لئے تباہ کن ہو سکتے تھے۔ اس سے عین حدود حرم میں ایک ایسی جنگ چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا جس میں

عمرہ کی نیت سے آنے اور اس کے آداب ملحوظ رکھنے والے ایک فریق ہوتے اور خانہ کعبہ کے متولی اور ان کے حلیف دوسرا فریق ہوتے۔ اس جنگ کے برپا ہونے کا تمام تر الزام قریش پر ہوتا کیونکہ احابیش' بنو خزاعہ اور بنو ثقیف کے سردار اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ رائے قائم کر چکے تھے کہ مسلمانوں کے کوئی جنگی عزائم نہیں ہیں' وہ صرف شعائر اللہ کی تعظیم کے جذبہ سے آئے ہیں' انہوں نے قریش کو معقولیت کی راہ اختیار کرنے پر راضی کرنے کے لئے مصالحت تک کی پیشکش کی ہے لیکن قریش ہیں کہ کسی طرح معقول رویہ اپنانے کو تیار ہی نہیں۔ اگر یہ جنگ ہوتی تو یہ واقعہ قریش کی انانیت' ہٹ دھرمی اور اپنی حیثیت کے ناجائز استعمال کی ایک ایسی دلیل بن جاتا جس سے قریش کی حیثیت عرفی مجروح ہو جاتی اور ان کے پاس اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ یکسر بدلی ہوئی اس صورت حال میں اب قریش کے لئے اس کے سوا کوئی چارا نہ رہا کہ وہ مشتعل مسلمانوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے صلح کا ہاتھ بڑھائیں تاکہ ان کے سر پر سے جنگ کا خطرہ ٹل جائے اور اگر ممکن ہو تو ان کی بات بھی رہ جائے۔ یہ وہی بات تھی جس کی پیشکش نبی ﷺ پہلے ہی کر چکے تھے۔ قریش نے اب اس کو قبول کیا لیکن بعد از خرابی بسیار۔ صلح کے مذاکرات کے لئے انہوں نے ایک سردار سہیل بن عمرو کو مسلم کیمپ میں بھیجا۔ اس کو آتا دیکھ کر نبی ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاملہ آسان کر دیا ہے۔ یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ قریش نے اب اپنی ہٹ چھوڑ کر وہی راہ اپنائی ہے جس کی دعوت آپ کئی روز سے ان کو دے رہے تھے اور اب صلح کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قریش نبی ﷺ کی تکذیب کر رہے تھے اور ان کے ساتھ اب تک کا محاذ آرائی کا رویہ اسی بنا پر تھا کہ رسول کے مکذب ہونے کے باعث قریش کے ساتھ کوئی سمجھوتہ ممکن نہ تھا تو اس موقع پر یکایک رویے کی یہ تبدیلی کیسے ممکن ہو گئی۔ ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے قریش کی لیڈر شپ کو مطعون کرنے اور ان کو عذاب الٰہی کا مستحق قرار دینے کے باوجود کسی مرحلہ پر ان کی اصلاح کی مہلت کو ختم کرنے کا اعلان نہیں کیا۔ حتیٰ کہ سورہ انفال میں' غزوہ بدر پر تبصرہ کرنے کے بعد' جہاں قریش کے خلاف نہایت تند و تیز زبان استعمال کی گئی ہے وہیں ان کو اصلاح کے لئے مزید وقت بھی دیا ہے اور اس ضمن میں یہ ہدایت بھی دی ہے کہ

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی اللہ (انفال 61)

(اور اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جائیو اور اللہ پر بھروسہ رکھو)

اسی ہدایت کی روشنی میں نبی ﷺ نے صلح کی طرف توجہ دلائی لیکن قریش نے اس کو غلط

معنی پہنائے اور سوچ کی تبدیلی کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کیا۔ وہ محاذ آرائی پر مصر رہے لیکن بیعت رضوان ان کے لئے چشم کشا ثابت ہوئی۔ اب اس کے سوا کوئی چارا نہ رہا کہ وہ اپنے آپ کو مخمصہ سے نکالنے کے لئے صلح کی پیشکش کو قبول کرلیں۔ جب وہ اس کی طرف مائل ہوئے تو نبی ﷺ تو مذکورہ بالا حکم کے تحت مامور ہی تھے کہ وہ اللہ کے بھروسہ پر صلح کرلیں۔ چنانچہ آپ نے سہیل بن عمرو کا خیر مقدم کیا اور سمجھوتہ کے لئے مذاکرات شروع ہو گئے۔

معاہدہ کی شرائط طے کرنے میں قریش کے وفد نے بلا ضرورت الجھنیں پیدا کیں اور کوشش کی کہ اپنی بات اونچی رکھیں۔ اس سے ان کی انا کو وقتی طور پر تو تسکین ہو گئی لیکن آگے چل کر وہ اس طرح منوائی ٹھانے والی شرائط سے کوئی سیاسی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ سیرت کی کتابوں اور روایات حدیث کی روشنی میں معاہدہ کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

"یہ وہ امور ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے

- یہ کہ دونوں نے دس برس کے لئے لوگوں پر سے جنگ کو ہٹانے پر اتفاق کیا ہے۔ اس دوران میں لوگ امن سے رہیں گے اور دونوں فریق ایک دوسرے پر دست درازی سے رک جائیں گے۔
- یہ کہ قریش میں سے جو شخص اپنے والی کی اجازت کے بغیر محمد کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس کر دیں گے اور محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس جائے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
- یہ کہ ہمارے درمیان ہر طرح کی معاندانہ کارروائیاں بند رہیں گی۔ چوری چھپے یا علانیہ بد عہدی نہیں کی جائے گی۔
- یہ کہ جو کوئی محمدؐ کا ساتھ دینے کے لئے معاہدہ میں شامل ہونا چاہے گا ہو سکے گا اور جو کوئی قریش کا ساتھ دینے کے لئے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے گا داخل ہو سکے گا۔
- یہ کہ تم ہمارے ہاں سے اس سال لوٹ جاؤ گے اور مکہ میں داخل نہ ہو گے لیکن آئندہ سال ہم تمہارے آگے سے ہٹ جائیں گے' تم مکہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ داخل ہو سکو گے' وہاں تین دن قیام کرو گے اور تمہارے ساتھ سوار کا اسلحہ "یعنی تلواریں نیام میں" ہو گا۔ اس کے سوا کسی اسلحہ کے ساتھ تم شہر میں داخل نہیں ہو گے"۔

اس معاہدہ کے گواہان مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، سعدؓ بن ابی وقاص اور محمدؓ بن مسلمہ اور قریش کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص تھے۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		روپے پیسے
1	مجموعہ تفاسیر فراہی	۲۰۰-۰۰
2	حکمت قرآن	۰۰-۰۰
3	اقسام القرآن	۰۰-۰۰
4	ذبیح کون ہے	۰۰-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1	تدبر قرآن: (۹ جلد)	۱۸۰۰-۰۰
	: (فی جلد)	۲۰۰-۰۰
2	مبادی تدبر قرآن	۶۳-۰۰
3	مبادی تدبر حدیث	۶۳-۰۰
4	حقیقت شرک و توحید	۹۰-۰۰
5	حقیقت نماز	۳۹-۰۰
6	حقیقت تقویٰ	۳۹-۰۰
7	تزکیہ نفس: جلد اول (شائع کردہ ملک سنز)	۰۰-۰۰
	: جلد دوم	۷۵-۰۰
8	دعوت دین اور اس کا طریق کار	۷۸-۰۰
9	اسلامی قانون کی تدوین	۴۸-۰۰
10	اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
11	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۳۸-۰۰
12	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۶۳-۰۰
13	قرآن میں پردے کے احکام	۱۰-۰۰
14	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۶۶-۰۰
15	تفہیم دین	۵۴-۰۰
16	مقالات اصلاحی: جلد اول	۸۷-۰۰
	: جلد دوم	۰۰-۰۰
	: جلد سوم	۰۰-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ لاہور۔ 54600۔ پاکستان۔ فون: ۰۴۲-۷۵۸۰۸۰۰